وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا (النسآء: ۹۳)

اور جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

حُرمتِ مُسلم

اور

مسئلۂ تکفیر

تالیف: محمد یوسف ربانی حفظہ اللہ

نظرِ ثانی: فضیلۃ الشیخ ابو الحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ

تالیف

محمد یوسف ربّانی حفظہ اللہ

نظر ثانی

فضیلۃ الشیخ ابوالحسن مبشّر احمد ربّانی حفظہ اللہ

سرورق.................عبدالرحمٰن خالد

کمپوزنگ.................محمد شفیق

تزئین.................ظہیر الدین بابر

دارالاندلس

4-لیک روڈ چوبرجی لاہور +92-42-37230549 | غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور +92-42-37242314 | بالمقابل سفاری پارک گلشن اقبال کراچی +92-21-34835502

Head Office : Cell + 92-322-4006412 Email: dar_ul_andlus@yahoo.com

فہرست

حرمتِ مسلم اور مسئلۂ تکفیر

مسلمان کی شانِ حرمت

مسئلۂ تکفیر اور فتنۂ تکفیر

طاغوت کی تعریف اور حکم

الکفر والتکفیر کی بحث

ضوابط التکفیر اور موانع کفر

پُرفتن دور میں...... اہلِ ایمان کا طرزِ عمل

عرض ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلاَۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ، أَمَّا بَعْدُ!

اسلام امن وسلامتی اور باہمی اخوت ومحبت کا دین ہے۔ انسانی جان و مال اورعزت و آبرو کا تحفظ اسلامی شریعت کے اہم ترین مقاصد اور اولین فرائض میں سے ہے۔ کسی انسان کی جان لینا، اس کا ناحق خون بہانا اور اسے اذیت دینا حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ [المائدۃ:۳۲]

''جس نے ایک جان کو کسی جان کے (بدلے کے) بغیر، یا زمین میں فساد کے بغیر قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے اسے زندگی بخشی تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخشی۔''

اس واضح شرعی حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک مسلمان کے خلاف ہتھیار اٹھانا ایک سنگین جرم ہے اور اس کی سزا جہنم ہے۔ اسی طرح جہالت، عصبیت یا کسی دوسرے سبب کی بنا پر کسی مسلمان فرد یا مسلم حکمرانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانا اور فتنہ وفساد برپا کرنا، محاربت اور بغاوت جیسے سنگین جرائم کے زمرے میں آتا ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کی حرمت اور ممانعت بالکل واضح ہے اور اس کی حرمت پر امت کا اجماع اور جملہ علمائے اہل سنت کا اتفاق ہے۔

دورِ حاضر میں مسلم حکمرانوں اور مسلم معاشروں کے افراد کے خلاف ہتھیار اٹھانے، اغوا برائے تاوان، خودکش دھماکوں اور قتل و غارت گری نے ایک خطرناک فتنے کی صورت اختیار کر لی ہے۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ یہ گھناؤنے جرائم اسلام اور جہاد کے نام پر کیے جا رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے آج سے صدیوں پہلے اس شر انگیز فتنے کی نشاندہی اور پیش گوئی کر

دی تھی۔ آپ ﷺ نے اپنی امت کو اس سے بچنے کے طریقے بتائے اور ان فتنوں سے دور رہنے کی تلقین کی۔ گزشتہ کئی سالوں سے دیگر اسلامی ممالک کی طرح مملکت خداداد پاکستان بھی ایسے فسادیوں، تکفیریوں اور خارجیوں کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ عام مسلمان ہی نہیں بلکہ پڑھے لکھے لوگ بھی اس فتنے کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس پریشان کن صورت حال میں ایسے فتنہ پرور لوگوں کے باطل اور گمراہ کن نظریات سے عام مسلمانوں کو آگاہ کرنا اور ان سے بچنے کے طریقے بیان کرنا دورِ حاضر کی اشد ضرورت ہے۔

اس انتہائی اہم موضوع پر معروف داعی الشیخ محمد یوسف ربانی حفظہ اللہ نے ''حرمت مسلم اور مسئلہ تکفیر'' کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی ہے، جس میں انھوں نے قرآن وسنت کے مستند دلائل کے ساتھ اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے اور حرمت خونِ مسلم کی عظمت اور فتنۂ تکفیر کی سنگینی اور نقصانات بیان کیے ہیں۔ ان کا اسلوبِ تحریر آسان اور عام فہم ہے۔ مزید برآں اس قابل قدر تحریر پر فاضل محقق اور معروف عالم دین الشیخ مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ نے نظر ثانی کی ہے اور بعض مقامات پر بڑے گراں قدر اور مفید اضافے بھی کیے ہیں، جس سے کتاب کی علمی وتحقیقی قدر واہمیت دو چند ہوگئی ہے۔

زیر نظر کتاب دار الاندلس کی طرف سے شائع کی جا رہی ہے، اس کی پروف خوانی حافظ سعید الرحمٰن، ابوبکر صدیق، محمد آصف مدنی اور حافظ ابتسام الحسن اور کمپوزنگ محمد شفیق اور ترتیب وتزئین ظہیر الدین بابر نے کی ہے اور اس کا جاذب نظر ٹائٹل عبد الرحمٰن خالد نے تیار کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اسے مؤلف اور دیگر احباب کے لیے صدقہ جاریہ اور قارئین کو اس تباہ کن اور خطرناک فتنے سے بچنے کا ذریعہ بنائے۔ آمین

محتاجِ دعا

جاوید الحسن صدیقی

مدیر دار الاندلس

یکم جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ

مقدمہ

حَامِدًا وَ مُصَلِيًّا وَ مُسَلِّمًا.

عصرِ حاضر میں بے شمار فتن جنم لے چکے ہیں اور امتِ مسلمہ کی تباہی اور ہلاکت کا باعث بن رہے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو آنے والے فتن سے آگاہ کیا تاکہ امت ان سے محفوظ رہے۔ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ جیسے صحابی رسول اللہ ﷺ سے اکثر شر اور فتنوں کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خیر کے بارے میں پوچھتے تھے، جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہما میں مروی ہے، لیکن امت کے اکثر افراد مسلسل اپنی بد عملی اور کوتاہی کی وجہ سے شر و فساد اور فتن کا شکار ہو چکے ہیں۔ حالانکہ شریعت اسلامیہ نے ان فتنوں سے بچاؤ کے لیے راہنما اصول اس امت کو دیے ہیں، تاکہ امت ان اصول وضوابط کی روشنی میں اپنے آپ کو فتنوں سے بچا لے۔

فتن بے شمار اقسام و انواع پر مشتمل ہیں۔ کئی ایسے فتنے ہیں جب وہ سر اٹھاتے اور معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں تو صرف ظالم ہی ان کا شکار نہیں ہوتے بلکہ بڑے بڑے نیک لوگ بھی ان کی زد میں آ جاتے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً﴾ [الأنفال: ٢٥]

''اور اس عظیم فتنے سے بچ جاؤ جو لازماً ان لوگوں کو خاص طور پر نہیں پہنچے گا جنھوں نے تم میں سے ظلم کیا۔''

آج دنیا میں بے شمار فتن وقوع پذیر ہیں، کہیں مال و زر کی حرص کا فتنہ اور کہیں لسانی تعصّبات کا شر، کہیں افتراق وتشتُّت کا عذاب اور کہیں خواہشات کا سیلاب اور کہیں قتل و غارت گری کی نحوست اور کہیں فحاشی وعریانی کا سیل رواں ہے، کہیں جنسی آوارہ گردی اور کہیں بے راہ روی۔

الغرض ! ہرطرف فتن ہی فتن اور اس وقت جس فتنے کی آبیاری دین دشمن قوتیں کر رہی ہیں وہ ہے تکفیرِ مسلم کا شر انگیز فتنہ۔ دنیائے کفر جب مسلمانوں کے ساتھ میدانِ معرکہ میں شکست خوردہ ہوتی ہیں تو اپنے انتقام کی آگ کو سرد کرنے کے لیے امتِ مسلمہ میں کشت وخون کی ہولی کھیلنے کی بھر پور کوشش کرتی ہے اور بعض جہال اور عاقبت نااندیش جذباتی مسلمانوں کو ورغلا کر استعمال کرتی ہے اور بڑی چابکدستی کے ساتھ انہیں باہم دست وگریبان کر دیتی ہے اور ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کافر قرار دے کر اس کی گردن کاٹنے کے درپے ہو جاتا ہے اور حرمت مسلم کا پردہ چاک کر کے اس کے خون و مال اور عزت و جان کو مباح سمجھ لیتا ہے، اسے تاریخ، فتنۂ تکفیر کے نام سے یاد کرتی ہے۔ اس فتنہ نے سب سے پہلے اس امت کے ابتدائی لوگوں کی تکفیر کر کے ان کے جان و مال کو اپنے لیے حلال سمجھا اور خلیفۃ المسلمین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گروہوں کو کافر قرار دے کر ان کی جانوں کے درپے ہوگئے اور پھر اس فتنے نے مختلف خطوں اور علاقوں میں گاہے بگاہے سر اٹھایا اور مسلمانوں کو اسلام سے نکال کر کفر کی صفوں میں لا کھڑا کرنے کی سعی لا حاصل کی اور آج تلک یہ تکفیر کی چنگاری سلگ رہی ہے اور کئی ایک بلاد اسلامیہ اس کی لپیٹ میں آ چکے ہیں۔ مساجد، مدارس، مراکز، بیوت، عسکری اور حکومتی ادارے، سول سوسائٹی، ہسپتال اور سکولز وغیرہ ان کے نشانے پر

ہیں۔ امت کے نو خیز اور نو جوان لڑکوں کو شہادت کی امید اور جنت کی خوش خبری سنا کر، دھماکے کرنے کے لیے تیار کرتے ہیں۔

موجودہ پر فتن حالات میں علمائے امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اصلاح کے جذبے اور خلوص نیت کے ساتھ فتنے کا شکار، مسلمانوں کی قرآن وسنت کی روشنی میں راہنمائی کریں۔ اسی جذبے کے ساتھ عزیزم شاگردِ رشید، معروف داعی اور ہر دل عزیز خطیب، فاضل نوجوان مولانا محمد یوسف ربانی حفظہ اللہ نے شان دار، عام فہم اور آسان ''حرمت مسلم اور مسئلۂ تکفیر'' کے نام سے ایک کتاب مرتب کی ہے۔ جس میں خون مسلم کی عظمت وحرمت کو شرعی دلائل کے ساتھ اجاگر کیا ہے اور احادیث صحیحہ و حسنہ کے ذریعے گم راہ اور بھٹکے ہوئے نوجوانوں کو ہدایت کا روشن چراغ فراہم کیا ہے اور فتنہ و فساد میں ملوث افراد کو نور فلاح، سلامت روی، کامیابی و کامرانی والے راہِ مستقیم کی طرف دعوت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی افادیت میں اضافہ فرمائے اور ہر بھٹکے ہوئے کے لیے نجات کا وسیلہ بنائے۔

راقم الحروف نے مقدور بھر اس کی روایات پر نظر ثانی کی اور کئی مقامات پر تصحیح کے علاوہ مفید اضافہ جات بھی کیے۔ راقم ایک عرصہ سے اپنے دروس میں تکفیر کے مفاسد اور نقصانات کے بارے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے قواعد وضوابط، اسباب الکفران اور موانع، مفتی اور مستفتی کے آداب اور حاملین فتویٰ کے بارے کتاب وسنت کی نصوص پیش کرتا چلا آ رہا ہے۔

چنانچہ اس موضوع کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر فاضل مؤلف کے ساتھ بھر پور علمی تعاون کیا ہے اور میں نے اس کتاب کو موضوع کے مطابق پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف موصوف اور ناشر کو جزائے خیر سے نوازے اور اس تالیف کو ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، تمام معاونین کو خیر کثیر عطا فرمائے اور انھیں قبر و قیامت کے عذاب سے محفوظ

فرما کر جنت الفردوس کا وارث بنائے۔آمین یارب العالمین!

ابوالحسن مُبشّر اَحمد ربّانی عفا اللہ عنہ
رئیس مرکز الحسن 882/P سبزہ زار لاہور
جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ

ابتدائیہ

دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں دوران سفر ایک حادثے میں میرے بازو کی ہڈی ٹوٹ گئی تو بوجہ علالت مجھے خلوت نشینی کے چند لمحات میسر آئے۔ انسان اگر غور کرے تو اہلِ ایمان کو پہنچنے والے مصائب وآلام میں بھی اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں نظر آتی ہیں۔ اس حادثہ اور تکلیف میں فراغت بھی انھی نعمتوں اور حکمتوں میں سے ایک تھی، چنانچہ میں نے اس فرصت کو نعمت اور غنیمت سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسئلۂ تکفیر کا مطالعہ شروع کیا، اس دوران بہت سی معلومات حاصل ہوئیں اور فکر کی اصلاح بھی ہوئی، اس کے ساتھ ساتھ یہ داعیہ بھی پیدا ہوا کہ اگر یہ معلومات تحریری شکل میں جمع کر دی جائیں تو عام لوگوں کو بھی فائدہ ہوگا۔

چونکہ مسئلہ تکفیر نہایت حساس اور پیچیدہ مسئلہ ہے، اس لیے بہت سے سادہ مسلمان اور مذہبی جذبات رکھنے والے نوجوان محض اپنی لاعلمی کی بنا پر اس فتنے کا شکار ہو جاتے ہیں۔

چونکہ مسئلۂ تکفیر کا تعلق عقیدہ وفکر سے ہے، اس لیے وہی لوگ فتنۂ تکفیر کا شکار ہوتے ہیں جو عقیدہ وفکر کے خلجان میں مبتلا ہیں۔ فتنۂ تکفیر خالص طاغوتی فکر اور یہود کی باقیات سیئات میں سے ہے۔ آغازِ اسلام ہی سے اس امت کے بعض لوگ (خوارج) اس مسئلہ میں یہودیوں کی سازشوں کا شکار ہوئے۔ آج بھی یہود کی فتنہ انگیزی اور سازش کا زور ہے، جب سے امتِ مسلمہ نے جہاد جیسے عظیم عمل کو شروع کیا ہے، تو اسے کمزور کرنے کے لیے اسلام دشمن قوتوں نے فتنۂ تکفیر اور خوارج کی پشت پناہی کی۔ امتِ مسلمہ کو اس سے دوچار کرنے کے لیے فرقہ واریت اور مذہبی تعصب کو ہوا دی گئی، اسی بنا پر مذہبی، جنونی اور جذباتی نوجوان

استعمال ہوئے۔ مسلکی اختلاف کی بنیاد پر ایک دوسرے کو کافر گرداننے لگے، پھر کافر و مرتد کہنے کے بعد واجب القتل کے فتوے صادر ہونے لگے۔ نتیجتاً امتِ مسلمہ کے وہ نوجوان جن کا جہاد اللہ تعالیٰ کے باغیوں کے خلاف اور اعلائے کلمۃِ اللہ کے لیے تھا، وہ باہمی لڑائی اور خانہ جنگی کا شکار ہو گئے، المیہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ جہاد کے نام پر کیا جا رہا ہے، اس شدید فتنہ کے سامنے دینی جماعتیں بے بس اور حکومتیں مجبور نظر آتی ہیں۔

تو ایسے حالات میں ملک و ملت کے دفاع، اغیار کی سازشوں کا مقابلہ کرنے میں اور فتنۂ تکفیر میں ملوث اپنے سادہ لوح مسلمان بھائیوں کی اصلاح اور بچاؤ کے لیے ہر ممکنہ کوشش کی جائے، خصوصاً اہل علم حضرات کی ذمّہ داری ہے کہ عامۃ الناس کی اصلاح میں بھر پور کردار ادا کریں جو کہ ہر پُرفتن دور میں اہل حق علماء کی شان ہوا کرتی ہے۔

مسئلۂ تکفیر اگرچہ نہایت نزاکت کا متقاضی ہے، لیکن اسے سلیس، آسان اور عام فہم انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ میرے وہ بھائی جو محض لاعلمی کی بنا پر فتنۂ تکفیر میں ملوث ہیں ان کی اصلاح کا ذریعہ بنے، یقیناً اعمال صالحہ کی سمجھ، توفیق اور قبولیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔

میں اپنے استادِ محترم الشیخ ابوالحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں، جنھوں نے علالت کے باوجود خصوصی شفقت فرماتے ہوئے اس کتابچے پر نظر ثانی کی اور جہاں مناسب سمجھا انتہائی مفید اضافے کیے، حوالہ جات اور تحقیق میں بھی بھر پور مدد کی۔ اللہ تعالیٰ راقم کی اس ادنیٰ کاوش کو قبول فرمائے، نیز اسے امت مسلمہ کی حفاظت اور اتحاد کا ذریعہ بنائے اور اس کے علاوہ جن بھائیوں نے اس کارِ خیر میں حصہ لیا ان سب کو اللہ تعالیٰ اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین!

اخوکم فی الدین

محمد یوسف ربانی

حرمتِ مسلم اور مسئلۂ تکفیر

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے جس کے اساسی شعبہ جات میں سے تین اہم ہیں:
① سیاست۔ ② معیشت۔ ③ معاشرت۔

اسلامی معاشرت ان تینوں کی بنیاد ہے۔ کیونکہ اگر معاشرت اور معاشرہ نہ ہو تو معیشت اور سیاست ممکن ہی نہیں، لہٰذا اسلامی نظامِ حیات کے دوام و بقا کے لیے اسلامی معاشرت کا تحفظ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

اس مسئلہ میں اسلام کی تعلیمات بہت واضح ہیں، اسلام ہر اس قول وعمل کی ترغیب اور حمایت کرتا ہے جس سے اسلامی معاشرت مستحکم ہو، مثلاً صلہ رحمی، اخوّت، موالات، اتفاق و اتحاد، حسن اخلاق اور مسلمانوں کے باہمی حقوق وغیرہ، نیز ہر اس قول وفعل کی مذمت بھی کرتا ہے، جس سے اسلامی معاشرت کو گزند اور نقصان پہنچے، جیسا کہ غیبت، چغلی، بدگمانی، جاسوسی، تمسخر اُڑانا اور بُرے القابات سے پکارنا وغیرہ کی اسلامی تعلیمات میں شدید مذمت وارد ہے، جس کی تفصیل سورۂ حجرات اور کتبِ احادیث میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

الحاصل یہ کہ اسلام کی تعلیمات، مسلمان کی شانِ حرمت کے سلسلہ میں نہایت حساس اور محتاط ہیں۔

امتِ مسلمہ اور اسلامی معاشرت کو سب سے زیادہ اور ناقابل تلافی نقصان فتنۂ تکفیر اور فکرِ خوارج سے پہنچا ہے، یعنی کسی مسلمان کو موانع کفر کا اعتبار کیے بغیر کافر قرار دینا پھر اس بنا پر اس کے قتل کو مباح سمجھنا، نیز فاسق وظالم حکمران کو نصیحت کرنے کی بجائے مسلّح خروج و

بغاوت کی راہیں ہموار کرنا۔

پس اس فتنے سے بچنے کے لیے مسلمان کی شانِ حرمت، فتنۂ تکفیر اور فکرِ خوارج سے آگاہی ضروری ہے، اس مختصر رسالے میں ان دونوں پہلوؤں کی مبادیات کی طرف راہنمائی کی گئی ہے۔

مسلمان کی شانِ حرمت

مسلمان کون ہے......؟:

① نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهِ وَيَدِهِ)) [بخاري، كتاب الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون......: ١٠]

''مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کی شرارتوں) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

② اور ایک روایت میں ہے:

((أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهِ وَ يَدِهِ)) [مستدرك حاكم : ١٠/١، ح : ٢٣]

''اہلِ ایمان میں سے کامل مومن وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کی شر انگیزی) سے مسلمان محفوظ ہوں۔''

③ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ يَدِهٖ)) [نسائي، كتاب الإيمان و شرائعه، باب صفة المؤمن: ٤٩٩٨، مسند أحمد ٢/ ٣٨٥، ح:٨٩٥٣]

''مسلمان تو وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ (کے فتنے) سے لوگ محفوظ رہیں۔''

④ اسی مفہوم کی روایت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ہے، کہ ایک آدمی نے سوال کیا اے اللہ کے رسول !

«أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ يَدِهٖ»
[مسند أحمد : ٢/ ١٨٧، ح : ٦٧٦٢]

''کون سا اسلام افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس کی زبان اور ہاتھ (کے شر) سے لوگ محفوظ رہیں۔''

⑤ اور ایک روایت میں ہے:
«أَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ يَدِهٖ» [طبراني كبير: ٢٠/١٠٥،ح : ١٤٥١]

''اے اللہ کے رسول! مسلمانوں میں سے بہترین کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں۔''

⑥ سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشادفرمایا:
«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالْمُؤْمِنِ؟ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى أَمْوَالِهِمْ وَ أَنْفُسِهِمْ »
[مسند أحمد: ٦/ ٢١، ح : ٢٣٩٨٥۔ مستدرك حاكم: ١/ ١١، ح : ٢٤]

''کیا میں تمھیں مومن کے بارے میں خبر نہ دوں؟ (مومن تو وہ ہے) جس سے لوگ اپنی جانوں اور مالوں پر محفوظ رہیں۔''

⑦ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
«لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَ لَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيْءِ» [ترمذي، كتاب البر و الصلة، باب ما جاء في اللعنة : ١٩٧٧۔ الأدب المفرد للبخاري : ٣١٢]

''مومن بہت زیادہ طعنہ زنی کرنے والا، بہت زیادہ لعنت کرنے والا، بہت زیادہ فحش گوئی اور بدخلقی کرنے والانہیں ہوتا۔''

مسلمانوں کے باہمی تعلقات:

① سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ، وَلَا يُسْلِمُهُ، وَمَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ أَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ » [بخاري، كتاب المظالم، باب لا يظلم المسلم المسلم......: ٢٤٤٢]

''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اُسے بے یار و مدد گار چھوڑتا ہے، جو اپنے بھائی کی ضرورت میں کام آتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کر دیتا ہے، جو کسی مسلمان کی مشکل میں کام آتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی مشکلات میں سے ایک مشکل دور کرے گا اور جو کسی مسلمان کی ستر پوشی کرتا (یعنی عیب چھپاتا) ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔''

② سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ، التَّقْوٰى هَاهُنَا » وَيُشِيْرُ إِلٰى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ « بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَّحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ » [مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم ظلم المسلم : ٢٥٦٤]

''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو ذلیل کرتا ہے اور نہ ہی اسے حقیر جانتا ہے، تقویٰ (پرہیز گاری) یہاں ہے، (آپ نے تین بار اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا۔) کسی مسلمان کے لیے اتنی ہی بُرائی کافی ہے کہ وہ کسی مسلمان بھائی کی تحقیر کرے، ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت (پامال کرنا) حرام ہے۔''

③ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ ﴾ [بخاري، كتاب الأدب، باب من كان يؤمن بالله...... : ٦٠١٨ـ مسلم، كتاب الإيمان، باب الحث على إكرام الجار: ٤٧]

''جو شخص اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسائے کو اذیت نہ دے، اور جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ مہمان کی عزت کرے اور جو کوئی اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس کو چاہیے کہ بات اچھی کرے یا خاموش رہے۔''

④ **سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:**

﴿ مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى ﴾

[مسلم، كتاب البر والصلة، باب تراحم المؤمنين...... : ٢٥٨٦]

''مومنین آپس میں ایک دوسرے سے دوستی کرنے، رحم کرنے اور شفقت کرنے میں ایک جسم کی مانند ہیں، چنانچہ جب جسم کے کسی بھی حصے کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں اس کا شریک ہو جاتا ہے۔''

⑤ **سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:**

﴿ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ، قِيْلَ: مَا هُنَّ؟ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ إِذَا لَقِيْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ، وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ، وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ، وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ، وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ ﴾ [مسلم، كتاب السلام، باب من حق المسلم للمسلم...... : ٢١٦٢]

''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں، پوچھا گیا، یا رسول اللہ! وہ کون سے حق ہیں؟ فرمایا: ''جب تو اس سے ملاقات کرے تو سلام کر۔ جب تمھیں دعوت دے تو قبول کر۔ جب نصیحت طلب کرے تو اسے نصیحت کر۔ جب چھینک

مارے اور الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یَرْحَمُکَ اللہ کہہ۔ جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کر اور جب فوت ہو جائے تو اس کے جنازے میں شریک ہو۔''

سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ »

[مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان غلظ تحريم...... : ۱۱۰]

''مومن پر لعنت کرنا (گناہ کے اعتبار سے) اس کو قتل کرنے کی طرح ہے۔''

مسلمان کو گالی دینا ''فسق'' ہے:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَ قِتَالُهُ كُفْرٌ »

[بخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى من السباب واللعن : ٦٠٤٤]

''مسلمان کو گالی دینا فسق و فجور اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔''

مسلمان کی طرف اسلحہ سے اشارہ کرنا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« مَنْ أَشَارَ إِلَى أَخِيهِ بِحَدِيدَةٍ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَلْعَنُهُ، حَتَّى يَدَعَهُ وَإِنْ كَانَ أَخَاهُ لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ » [مسلم، كتاب البر والصلة، باب النهي عن الإشارة ...... : ٢٦١٦]

''جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرتا ہے، اس پر فرشتے اس وقت تک لعنت کرتے ہیں جب تک وہ اشارہ کرنا چھوڑ نہ دے، خواہ اس کا حقیقی بھائی (ہی کیوں نہ) ہو۔''

جہنم کی طرف سفر:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لَا يُشِيرُ أَحَدُكُمْ إِلَى أَخِيهِ بِالسِّلَاحِ، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَحَدُكُمْ لَعَلَّ

الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ فِيْ يَدِهِ، فَيَقَعُ فِيْ حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ ﴾ [مسلم، كتاب البر والصلة، باب النهي عن الإشارة : ٢٦١٧، مستدرك حاكم : ٥١٣/٣]

’’تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے (کیونکہ) تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ کو ڈگمگا دے اور وہ (قتل ناحق کے نتیجے میں) جہنم میں جا گرے۔‘‘

جس نے مسلمانوں پر اسلحہ اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا ﴾ [بخاري، كتاب الفتن، باب قول النبي ﷺ "من حمل علينا......" : ٧٠٧١ـ مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي ﷺ "من حمل علينا السلاح......" : ٩٨]

’’جس شخص نے ہم (یعنی مسلمانوں) پر اسلحہ اٹھایا، پس وہ ہم میں سے نہیں (ہمارے طریقہ پر نہیں)۔‘‘

کلمہ گو کا قتل......ایک سنگین جرم:

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

﴿ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْحُرَقَةِ مِنْ جُهَيْنَةَ، قَالَ : فَصَبَّحْنَا الْقَوْمَ فَهَزَمْنَاهُمْ، قَالَ: وَلَحِقْتُ أَنَا وَرَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ رَجُلاً مِّنْهُمْ، قَالَ: فَلَمَّا غَشِيْنَاهُ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَكَفَّ عَنْهُ الْأَنْصَارِيُّ وَطَعَنْتُهُ بِرُمْحِيْ حَتّٰى قَتَلْتُهُ، قَالَ: فَلَمَّا قَدِمْنَا بَلَغَ ذَالِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَقَالَ لِيْ يَا أُسَامَةُ! أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّمَا كَانَ مُتَعَوِّذًا، قَالَ: أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَال لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟ قَالَ: فَمَازَالَ يُكَرِّرُهَا عَلَيَّ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ أَنِّيْ لَمْ أَكُنْ أَسْلَمْتُ قَبْلَ ذَالِكَ الْيَوْمِ ﴾ [بخاري، كتاب

الدیات، باب ﴿ ومن احیاھا ﴾ : ٦٨٧٢]

''نبی کریم ﷺ نے ہمیں مقام حرقہ کی طرف بھیجا جو قبیلۂ جہینہ کی ایک شاخ ہے، ہم صبح وہاں پہنچ گئے، پس ہم نے انھیں شکست دے دی، میں نے اور ایک انصاری صحابی نے مل کر اس قبیلے کے ایک شخص کو گھیر لیا، جب ہم اس پر غالب آ گئے تو اس نے کہا: لا الٰہ الا اللہ۔ انصاری صحابی تو کلمہ سن کر الگ ہو گیا لیکن میں نے نیزہ مار کر اسے ہلاک کر دیا، جب ہم واپس آئے تو نبی کریم ﷺ کو بھی اس واقعہ کی اطلاع مل چکی تھی، آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''اے اسامہ! تم نے اسے کلمہ [1] پڑھنے کے بعد قتل کر دیا؟'' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس نے خود کو بچانے کی خاطر کلمہ پڑھا تھا۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ''تم نے اسے کلمہ پڑھنے کے باوجود قتل کیا؟'' نبی کریم ﷺ بار بار یہ کلمات دہرا رہے تھے اور میں افسوس کر رہا تھا کہ کاش! آج اس دن سے پہلے میں اسلام نہ لایا ہوتا۔''

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ بار بار فرما رہے تھے:

((كَيْفَ تَصْنَعُ بِلاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ إِذَا جَاءَ تْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟)) [مسلم، كتاب الإيمان، باب تحريم قتل الكافر ...... : ٩٧]

''جب روز قیامت ''لا إلٰه إلا الله'' کلمہ آئے گا تو تم اس کا کیا جواب دو گے؟''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کلمہ، قتل سے روکتا ہے، نیز کلمہ گو کو قتل کرنا بہت بڑا سنگین جرم ہے۔ اور ایک روایت میں ہے، سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے کہا:

((يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! إِنَّمَا قَالَهَا مَخَافَةَ السِّلَاحِ))

''اے اللہ کے رسول! اس نے اسلحہ کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا''

---

1. خود کو بچانے کی خاطر کلمۂ توحید کا اقرار کر لینے والے کا قتل جب حالت جنگ میں بھی جائز نہیں تو حالت امن میں کیونکر جائز ہو گا؟ لیکن اگر کوئی شخص کفار کی صفوں میں شامل ہو کر مسلمان سے برسر پیکار رہے تو اسے ضرور قتل کیا جائے گا۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتّٰى تَعْلَمَ مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ قَالَهَا أَمْ لَا؟ »

[أبوداؤد، كتاب الجهاد، باب على ما يقاتل المشركون: ٢٦٤٣]

''تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا تاکہ تمھیں معلوم ہو جاتا کہ اس نے اسلحہ کے خوف سے پڑھا تھا یا نہیں؟''

سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول !

« أَرَأَيْتَ إِنْ لَقِيْتُ رَجُلاً مِّنَ الْكُفَّارِ فَقَاتَلَنِيْ فَضَرَبَ إِحْدَى يَدَيَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا ثُمَّ لَاذَ مِنِّيْ بِشَجَرَةٍ فَقَالَ أَسْلَمْتُ لِلّٰهِ أَفَأَقْتُلُهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بَعْدَ أَنْ قَالَهَا؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْهُ. قَالَ: فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّهُ قَدْ قَطَعَ يَدِيْ ثُمَّ قَالَ ذٰلِكَ بَعْدَ أَنْ قَطَعَهَا، أَفَأَقْتُلُهُ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَقْتُلْهُ، فَإِنْ قَتَلْتَهُ فَإِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ أَنْ تَقْتُلَهُ وَإِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهِ قَبْلَ أَنْ يَّقُوْلَ كَلِمَتَهُ الَّتِيْ قَالَ » [مسلم، كتاب الإيمان، باب تحريم قتل الكافر...... : ٩٥۔ بخاري، كتاب المغازي، باب : ٤٠١٩]

''میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ! آپ فرما دیجیے کہ اگر کسی کافر سے میرا مقابلہ ہو، وہ مجھ سے قتال کرے اور وہ میرا ہاتھ کاٹ ڈالے اور پھر جب وہ میرے حملہ کی زد میں آئے تو ایک درخت کی پناہ میں آ کر کہہ دے کہ میں اللہ کے لیے فرماں بردار ہو گیا (مسلمان ہو گیا) تو کیا میں اس شخص کو اس کے کلمہ پڑھنے کے بعد قتل کر سکتا ہوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو اسے قتل نہ کر۔'' میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اس نے میرا ہاتھ کاٹنے کے بعد کلمہ پڑھا ہے تو کیا میں اس کو قتل نہیں کر سکتا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو اسے قتل نہ کر اور اگر تو نے اسے قتل کر دیا تو وہ اس درجہ پر ہو گا جس پر تو اسے قتل کرنے سے پہلے تھا (یعنی حق پر) اور تو اس درجہ پر ہو جائے گا جس پر وہ کلمہ پڑھنے سے پہلے تھا۔''

فائدہ : چونکہ ہمارے پاس نیتوں کو جاننے کا واحد ذریعہ ’’ وحی الٰہی‘‘ موجود نہیں، اس لیے اسلام میں ظاہری حالت کو اصل قرار دیا گیا ہے، دوسروں کے متعلق ظاہری حالت کو معتبر سمجھنے اور حسنِ ظن رکھنے کی تلقین کی گئی ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا دونوں روایات سے ثابت ہوتا ہے۔

کلمہ، قتل کی راہ میں رکاوٹ ہے:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ))

[بخاري، كتاب الإيمان، باب ﴿فإن تابوا......﴾: ٢٥ـ مسلم، كتاب الإيمان، باب الأمر بقتال الناس : ٢٢]

’’مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کریں (کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں) اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، تو جب انھوں نے ایسا کر لیا تو انھوں نے مجھ سے اپنے خون اور اموال محفوظ کر لیے، مگر یہ کہ اسلام کا کوئی حق ہو، اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔‘‘

اس حدیث مبارکہ کی تائید قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے، ارشادِ ربانی ہے:

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾

[التوبة : ١١]

’’پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو دین میں تمھارے بھائی ہیں۔‘‘

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا

رَّسُوْلُ اللّٰہِ، فَإِذَا شَھِدُوْا أَنْ لَّآ إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، وَاسْتَقْبَلُوْا قِبْلَتَنَا، وَأَكَلُوْا ذَبِيْحَتَنَا، وَصَلَّوْا صَلَاتَنَا، فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا ﴾ [نسائي، كتاب المحاربة، باب تحريم الدم: ٣٩٧٢ـ بخاري: ٣٩٢]

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں (کفار و مشرکین) سے (اس وقت تک) لڑوں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، پس جب وہ گواہی دے دیں اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کریں، ہمارا ذبیحہ کھائیں اور ہماری طرح نماز پڑھیں تو پھر ہمارے اوپر ان کے خون اور مال حرام ہیں، مگر یہ کہ اسلام کا کوئی حق بنتا ہو۔''

فقہ الحدیث:

- اس حدیث میں ''أُمِرْتُ'' کا صیغہ جہاد کے فرض ہونے کی طرف دلالت کرتا ہے۔ اس کی تائید قرآن مجید کی آیات سے بھی ہوتی ہے جو صیغۂ امر سے جہاد کے حق میں وارد ہیں، مثلاً: ''جَاهِدُوْ، قَاتِلُوْا، وَاقْتُلُوْا، فَاضْرِبُوْا'' وغیرہ۔
- اس حدیث میں غیر مسلموں کے خلاف جہاد اقدامی جاری رکھنے کا اعلان کیا گیا ہے، جب تک وہ دینِ اسلام قبول نہیں کر لیتے۔
- جب کوئی شخص کلمۂ توحید کا اقرار کر کے اسلام میں داخل ہو جائے اور اقامتِ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی پابندی کرنے لگے، اس کا خون اور مال حرام ٹھہرتا ہے۔
- اسلام کا اقرار کر لینے کے بعد بظاہر عبادت بجا لانے والے کے خلاف جنگ نہیں کی جا سکتی خواہ وہ دل سے منکر ہی ہو، جیسا کہ منافقین کا طرز عمل ہے، صرف کفر بواح اور ارتداد [1] کے مرتکب ہی اعلان جنگ کے مخاطب ہیں۔

[1] کفر بواح اور ارتداد اختیار کرنے والے مسلمانوں سے قتال حکمران وقت یعنی اہل سلطنت کا کام ہے جیسا کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے خلاف قتال کیا۔

❁ اگر کسی مسلمان سے کوئی ایسا جرم سرزد ہو جائے جس پر شرعی سزا مقرر ہے تو وہ اس پر توبہ کر لے اس کے خلاف بھی تلوار اٹھانا جائز نہیں۔

❁ کلمہ گو کے خلاف جہاد و قتال کی اجازت نہیں دی گئی اگرچہ کلمہ کا اقرار زبان ہی سے کرے، جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث اسامہ پر امام نووی کی تبویب ہے۔

"بَابُ تَحْرِيْمِ قَتْلِ الْكَافِرِ بَعْدَ أَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ"

[مسلم : تحت الحديث ٩٤]

لا الٰہ الا اللہ کی حرمت اور علم کا مسئلہ:

قولہ تعالیٰ: ''فاعلم انہ لا الٰہ الا اللہ'' بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عالی شان سے علم کی فضیلت، اہمیت اور فرضیت ثابت ہوتی ہے مگر بعض حضرات نے اس مسئلہ میں تشدید اور غلو اختیار کر کے اسے مسلمانوں کی تکفیر کا ذریعہ بنا لیا ہے اور اپنے اختراعی نظریہ کو اسی آیت مبارکہ سے سہارا دیتے ہیں۔

کہ دیکھو جی! علم حاصل کرنا فرض ہے لہٰذا عقائد میں جہالت عذر نہیں اب جو بھی کفریہ، شرکیہ عقیدہ رکھتا ہو وہ مرتد ہے جو کہ واجب القتال ہے۔ اس طرح وہ مسلمانوں کے مابین باہمی اختلافات اور باطل عقائد و نظریات کی آڑ میں کلمہ گو کی تکفیر اور پھر قتل کی راہ ہموار کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں وہ ''دعوت کے اصول وضوابط اور طریقہ کار'' ضوابط تکفیر اور موانع کفر، اور پھر مرتد کو توبہ کی دعوت اور مہلت دینا نیز قتل کی حد لگانا خلیفۂ وقت کا حق ہے یا ہر کس و ناکس کا۔ ان میں سے کسی بات کو بھی ملحوظ نہیں رکھتے۔

درحقیقت ان کی یہ کج فہمی، کتاب وسنت اور منہج سلف سے ناآشنائی کا نتیجہ ہے اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ موانع کفر کی بحث میں جہالت بھی عذر تسلیم ہے جس کی متعدد مثالیں کتاب وسنت میں مذکور ہیں مثلاً ① ذات انواط کا قصہ ② بنی اسرائیل کے اس شخص کا واقعہ جس نے اپنے بیٹوں کو مرنے کے بعد آگ میں جلانے کی وصیت کی تھی۔ ③ ایک یہودی

نے کہا کہ تم مسلمان : "مَاشَاءَ اللّٰهُ وَ شَاءَ مُحَمَّدٌ" کہہ کر شرک کرتے ہو، تو نبی کریم ﷺ کو پتا چلا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم "مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شِئْتَ" کہا کرو۔' [السنن الکبریٰ للنسائي، ٣٦١/٩] میرے محترم بھائیو! یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ علم ''لا الٰہ الا اللہ'' کا مسئلہ اور ہے اور حرمت ''لا الٰہ الا اللہ'' کا مسئلہ اور ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کا علم حاصل کرنا یقیناً از حد ضروری ہے۔ اہمیت و فرضیت سے انکار کی گنجائش نہیں لیکن '' حرمت لا الٰہ الا اللہ'' کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی کلمہ گو شخص بوجہ جہالت عقیدے کی خرابی میں ملوث ہے تو اس کی جہالت کو عذر تسلیم کیا جائے گا اس پر کفر کا فتویٰ صادر نہیں کیا جائے گا۔ اس کی جہالت کو علم ودلیل کے ساتھ دور کیا جائے گا۔

جب تک وہ شخص کفر بواح کا ارتکاب نہیں کرتا اسے مرتد اور واجب القتل قرار نہیں دیا جائے گا۔ علاوہ ازیں اس کے مرتد ہونے کی صورت میں اس پر حد قتل کا اجراء خلیفۂ وقت کی ذمہ داری ہوگی بصورت عدم خلیفہ ہم پر صرف دعوت کے مکلّف ہیں۔ محدثین اور سلف صالحین کا یہی منہج ہے۔

مسلمانوں کا باہمی قتال کفریہ فعل ہے:

سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

((فَإِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَ أَمْوَالَكُمْ وَ أَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا، فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا، وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ، أَلَا فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ ضُلَّالًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ)) [بخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ﴾: ٧٤٤٧]

''بے شک تمھارے جان و مال اور عزتیں تمھارے لیے (یعنی ایک دوسرے کے لیے) اس طرح قابل احترام ہیں جیسے تمھارے اس دن کی حرمت تمھارے اس شہر میں اور تمھارے اس مہینے میں ہے، اس دن جب تم اپنے رب سے ملو گے تو وہ تم سے تمھارے اعمال کے بارے پوچھے گا، پس تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔''

اور ایک روایت میں ہے:

((لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ)) [بخاري، كتاب العلم، باب الإنصات للعلماء: ١٢١]

''تم میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔''

روزِ قیامت کا پہلا فیصلہ:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فِي الدِّمَاءِ)) [بخاري، كتاب الرقاق، باب القصاص يوم القيامة : ٦٥٣٣، مسلم : ١٦٧٨]

''قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے قتل کے فیصلے کیے جائیں گے۔''[1]

جب عبادت رائیگاں جائے گی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا فَاعْتَبَطَ بِقَتْلِهِ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا))

[أبوداؤد، كتاب الفتن والملاحم، باب في تعظيم قتل المؤمن : ٤٢٧٠]

''جس شخص نے کسی مومن کو (ناحق) قتل کیا اور اس کو قتل کر کے خوش ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کی کوئی نفلی اور فرضی عبادت قبول نہیں کرے گا۔''

ناقابل معافی جرم:

سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

((كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّغْفِرَهُ إِلَّا مَنْ مَّاتَ مُشْرِكًا أَوْ مُؤْمِنٌ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا)) [أبوداؤد، كتاب الفتن والملاحم، باب في تعظيم قتل المؤمن : ٤٢٧٠]

---

[1] وضاحت: ابوداؤد کی جس روایت میں ہے کہ سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا (۸۶۴) اس کا تعلق ''حقوق اللہ'' سے ہے اور مذکورہ روایت کا تعلق حقوق العباد سے ہے، تو اس تطبیق سے دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا۔

''ہر گناہ کے بارے میں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دینگے سوائے اس شخص کے جو شرک کی حالت میں مرا، یا وہ مسلمان جس نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کیا ہو۔''

فرقہ بندی کے نام پر قتل و غارت کی مذمت:

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« إِنَّمَا أَتَخَوَّفُ عَلَيْكُمْ رَجُلٌ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ حَتّٰى إِذَا رُئِيَتُ عَلَيْهِ بَهْجَتُهُ وَ كَانَ رِدْءًا لِلْإِسْلَامِ غَيَّرَهُ إِلٰى مَا شَاءَ اللّٰهُ، فَانْسَلَخَ مِنْهُ، وَ نَبَذَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ، وَ سَعٰى عَلٰى جَارِهِ بِالسَّيْفِ، وَ رَمَاهُ بِالشِّرْكِ، قَالَ: قُلْتُ، يَا نَبِيَّ اللّٰهِ ! أَيُّهُمَا أَوْلٰى بِالشِّرْكِ؟ المَرْمِيُّ أَمِ الرَّامِيُ؟ قَالَ بَلِ الرَّامِيُ »

[ابن حبان : ٨١۔ مسند البزار : ٢٧٩٣]

''بے شک مجھے تم پر اس چیز کا خدشہ ہے کہ ایک آدمی جس نے قرآن پڑھا، حتیٰ کہ اس پر قرآن کا جمال دیکھا گیا اور وہ اسلام کی حفاظت بھی کرتا تھا، جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا، پھر اس کا خول اتر گیا، اس نے قرآن کو پس پشت ڈال دیا، پھر وہ اپنے پڑوسی (یعنی دوسرے مسلمان پر) تلوار لے کر چڑھ دوڑا، اور اس پر شرک کا الزام لگانے لگا (راوی کہتا ہے) میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ان دونوں میں سے شرک کے زیادہ قریب کون ہے، وہ جس پر شرک کا الزام لگایا گیا یا الزام لگانے والا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شرک کا الزام لگانے والا۔''

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فَتَأَمَّلْنَا مَا فِيْ هَذَا الْحَدِيْثِ طَلَباً مِّنَّا لِلْمُرَادِ بِهِ مَا هُوَ ؟ فَوَجَدْنَا مَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ : يَا كَافِرُ! مَعْنَاهُ أَنَّهُ كَافِرٌ : لِأَنَّ الَّذِيْ هُوَ عَلَيْهِ الْكُفْرُ فَإِذَا كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ لَيْسَ بِكُفْرٍ، وَكَانَ إِيْمَانًا كَانَ جَاعِلُهُ كَافِرًا جَاعِلَ الْإِيمَانِ كُفْرًا، وَكَانَ بِذَالِكَ كَافِرًا بِاللّٰهِ تَعَالَى : لِأَنَّ مَنْ كَفَرَ بِإِيْمَانِ

اللّٰہِ تَعَالَی فَقَدْ کَفَرَ بِاللّٰہِ، وَمِنْہُ قَوْلُ اللّٰہِ : ﴿وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ [المائدة : ٥] فَهٰذَا أَحْسَنُ مَا وَقَفْنَا عَلَيْهِ مِنْ تَأْوِيلِ هَذَا الْحَدِيثِ وَاللّٰهَ نَسْأَلُهُ التَّوْفِيقَ."

[شرح مشکل الآثار ٣٢٥/٢ تحت حدیث ٨٦٥ ـط: مؤ سة الرسالة]

''کہ ہم نے اس حدیث میں غور وفکر کیا تا کہ اس کی مراد کو حاصل کر سکیں۔ پس ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ جس نے اپنے ساتھی سے اے کافر! کہا، اس کا معنی ہے کہ وہ کافر ہے کیوں کہ وہ شخص کفر پر ہے ۔ اگر وہ کفر پر نہیں تھا تو اس کے کہنے والے نے اس کو کافر بنادیا۔ اس نے ایمان کو کفر بنا دیا پس اس طرح وہ اللہ کے ساتھ کفر کر نے والا ہوا کیونکہ جس نے اللہ پر ایمان کا انکار کیا اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا، اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ﴿وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ اس حدیث کی تاویل میں یہ سب سے اچھی موافقت ہے۔''

قوام السنة الأصبهاني نے الحجة في بيان المحجة میں بھی "رامی بالشرك" والی روایت ذکر کی ہے اور دوسرے طریق سے ذکر کیا ہے کہ شرک سے مراد کفر ہے۔

فوائد:

اس حدیث مبارکہ سے درج ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

- جب انسان قرآن پڑھے تو اس کی شخصیت پر اس کے اثرات بھی نمایاں ہونے چاہییں۔
- قرآنی تعلیمات کو کسی صورت میں پس پشت نہیں ڈالنا چاہیے۔
- اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بدسلوکی نہیں کرنی چاہیے۔
- کسی پر بلا تحقیق محض تعصب کی بنا پر شرک کا فتویٰ نہیں لگانا چاہیے۔ البتہ اگر وہ کسی

شرکیہ یا کفریہ قول وعمل کا مرتکب ہو رہا ہو تو اسے خبر دار کرنا چاہیے اور اسے بتانے کے باوجود اگر وہ نہیں مانتا اور موانع کفر میں سے کوئی مانع موجود نہ ہو تو پھر وہ کافر ومشرک ہو جاتا ہے۔

- کسی پر ''شرک'' کا اطلاق کر کے اسے ڈرانا دھمکانا نہیں چاہیے۔
- فرقہ واریت کو ہوا دینا قابل مذمت فعل ہے۔
- فرقہ واریت کی آگ بھڑکانے والا ہی اس کے نقصانات کا ذمہ دار ہو گا۔

کسی مسلمان کے قتل کی حرص کی سزا بھی جہنم ہے:

سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

« إِذَا تَوَاجَهَ الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ. قَالَ فَقُلْتُ أَوْ قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! هَذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ قَالَ إِنَّهُ قَدْ أَرَادَ قَتْلَ صَاحِبِهِ » [مسلم، كتاب الفتن، باب إذا تواجه المسلمان بسيفيهما : ٢٨٨٨]

''جب دو مسلمان تلواریں لے کر ایک دوسرے کے سامنے آئیں (ان میں سے ایک دوسرے کو قتل کر دے) تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں ہوں گے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا یا راوی کہتا ہے، میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! قاتل کا جہنم میں جانا تو ظاہر ہے لیکن مقتول کیوں (جہنم میں) جائے گا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس لیے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے پر حریص تھا۔''

قتلِ مسلم، کبائر میں سے ہے:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبیرہ گناہوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« اَلْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَشَهَادَةُ الزُّورِ »

[بخاري، كتاب الشهادات، باب ما قيل في شهادة الزور : ٢٦٥٣]

''اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور کسی جان کو (ناحق) قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔''

قتل مسلم...... ہلاکت انگیز گناہ:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَمَا هُنَّ؟ قَالَ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ » [بخاري، كتاب الوصايا، باب قول الله تعالى : ﴿إن الذين يأكلون ...... ﴾: ٢٧٦٦]

''سات تباہ کن گناہوں سے بچو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ سات گناہ کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو، اللہ نے جس جان کو محترم قرار دیا ہے اسے ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدانِ جنگ سے راہِ فرار اختیار کرنا، پاک دامن غافل مومن عورتوں پر تہمت (زنا کا الزام) لگانا۔''

بے گناہ مسلمان کا قتل (قرآن مجید کی روشنی میں):

❁ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۚ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴾

[النساء : ٢٩]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ تمھاری آپس کی رضا مندی سے تجارت کی کوئی صورت ہو اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر ہمیشہ سے بے حد مہربان ہے۔''

اس آیت کریمہ ﴿لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ﴾ اپنے آپ کو قتل نہ کرو پر غور کریں کہ کسی

بے گناہ مسلمان کا قتل گویا کہ اپنے آپ کا قتل ہے۔ تفسیر احسن البیان میں ہے کہ ''اس سے مراد خودکشی بھی ہو سکتی ہے جو کبیرہ گناہ ہے اور ارتکابِ معصیت بھی جو ہلاکت کا باعث ہے اور کسی مسلمان کو قتل کرنا بھی، کیونکہ مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں، اس لیے اس کا قتل بھی ایسا ہی ہے جیسے اپنے آپ کو قتل کیا۔''

اگر قتل کے نتائج پر غور کیا جائے تو بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی بے گناہ کا قتل اپنے آپ کو قتل کرنا ہی ہے، مثلاً: مقتول کے وارث قاتل کو قتل کر دینگے یا عدالت قصاص میں قتل کر دے گی وگرنہ روز قیامت جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

پوری انسانیت کا قتل:

❁ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾

[المائدة : ٣٢]

''جس نے ایک جان کو کسی جان کے (بدلے کے) بغیر، یا زمین میں فساد کے بغیر قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔''

سلیمان بن ربعی کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ سے دریافت کیا، کیا یہ آیت ہمارے لیے بھی ہے، جس طرح بنی اسرائیل کے لیے تھی؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! بنی اسرائیل کے خون اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے خونوں سے زیادہ قابلِ احترام نہیں۔ [تفسير ابن كثير ٩٣/٣-٣٨١/٣-ط-دار ابن الجوزی- مصنف ابن أبي شيبة ٣٥٩/٩- طبري، وإسناده صحيح]

اس آیت کریمہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں انسانی جان کی قدر و قیمت اور خصوصاً مسلمان کے خون کی کتنی اہمیت اور تکریم ہے۔

اسلام نے ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے، قتل کے نتائج کو بنظرِ عمیق سامنے رکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ایک ناحق قتل کتنے فتنوں کو جنم دیتا ہے اور معاشرے

میں، خون خرابہ اور قتل و غارت گری کے کتنے دروازے کھلتے ہیں، ایک ناحق قتل ہوتا ہے تو اس کے ردِعمل میں بیسیوں قتل ہوتے ہیں، اس طرح قتل کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور پورا معاشرہ قتل و غارت کی آماجگاہ بن جاتا ہے، کتابوں میں دورِ جاہلیت اس کی مثال ہے اور مشاہدے میں آج کے اخبارات و رسائل۔ پس معاشرے کے امن و امان اور جرائم کی روک تھام کے لیے اسلام نے ایک قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔

معلوم ہوا کہ امن عالم کے لیے اسلام کے نظریہ اصلاح سے بہتر کوئی چیز نہیں، نیز اسلام دہشت گردی کا مذہب نہیں بلکہ امنِ عالم کی ضمانت ہے۔ آج کفار انسانی حقوق کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں، یہ سب ان کا مکروفریب اور دھوکا و دجل ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے بڑھ کر انسانیت کے حقوق کا ضامن کوئی نہیں۔ مغربی معاشرہ جس میں حسب ونسب محفوظ نہیں، والدین کے حقوق نہیں، وہاں انسانیت کے حقوق کیا ہوں گے؟ یہ طرہ امتیاز صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ جس میں انسانوں کے حقوق کے ساتھ حیوانوں کے حقوق بھی موجود ہیں۔

عمداً قتلِ مسلم...... (۴) سزاؤں کا موجب:

بے گناہ مسلمان کو قتل کرنے والا جہنمی، مغضوب، ملعون اور عذابِ عظیم کا مستحق ہے۔

❁ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ [النساء: ۹۳]

''اور جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے، جس میں ہمیشہ رہنے والا ہو اور اللہ اس پر غصے ہوگیا اور اس نے اس پر لعنت کی اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کیا ہے۔''

آیتِ کریمہ میں مومن کے قتل پر سخت وعید بیان کی گئی ہے۔ قاتل کے لیے جہنم کی سزا ذکر کرنے کے ساتھ ﴿خٰلِدًا، غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، لَعَنَهٗ اور عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ فرما کر اس کی سزا اور وعید کی شدّت و حدّت میں کئی گنا اضافہ کر دیا ہے۔ اتنی سخت سزائیں بیک وقت کسی

بھی گناہ کے متعلق بیان نہیں کی گئیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ ایک مومن کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا جرم ہے۔

قتلِ ناحق کی مزید سزائیں:

❁ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۙ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا﴾ [الفرقان : ٦٨، ٦٩]

''اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو قتل کرتے ہیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو یہ کرے گا وہ سخت گناہ کو ملے گا۔ اس کے لیے قیامت کے دن عذاب دگنا کیا جائے گا اور وہ ہمیشہ اس میں ذلیل کیا ہوا رہے گا۔''

ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بے گناہ مسلمانوں کو قتل کرنے والے کو مندرجہ ذیل سزاؤں کا مستحق ٹھہرایا ہے:

① قاتل جہنم کے اثام طبقہ سے ملے گا۔
② قاتل قیامت کے روز دوہرا عذاب پائے گا۔
③ قاتل عذاب میں ہمیشہ رہے گا۔
④ قاتل ذلیل و رسوا ہوگا۔

ردِ عمل میں بھی قتل کرنا جرم ہے:

سیدنا آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا ذکر قرآن مجید میں ہے، ان دونوں نے بارگاہ الٰہی میں نذرانہ پیش کیا جس کا پس منظر صحیح روایات میں نہیں ملتا۔ ان دونوں میں سے ایک کی قربانی اور نذرانہ مقبول ٹھہرا اور دوسرے کا نذرانہ بارگاہِ الٰہی میں محبوب ومقبول نہ ہوا تو اس نے حسد کی راہ اختیار کی اور اپنے بھائی کو قتل کی دھمکی دے دی۔

قرآن عظیم کے الفاظ ہیں:

﴿قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [المائدة : ٢٧ تا ٢٨]

''اس نے کہا میں تجھے ضرور ہی قتل کر دوں گا۔ اس نے کہا بے شک اللہ متقی لوگوں ہی سے قبول کرتا ہے۔ اگر تو نے اپنا ہاتھ میری طرف اس لیے بڑھایا کہ مجھے قتل کرے تو میں ہرگز اپنا ہاتھ تیری طرف اس لیے بڑھانے والا نہیں کہ تجھے قتل کروں، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں، جو سارے جہانوں کا رب ہے۔''

اس کے بعد اس نے بھائی کو قتل کر دیا۔ مگر مقتول کا صبر و ثبات دیکھیے کہ اس نے خوفِ خدا کی بنا پر قتل ہونا برداشت کر لیا، مگر ردعمل میں بھی اپنے بھائی کو قتل کرنا گوارا نہیں کیا۔ یقیناً یہ عزیمت کا اعلیٰ درجہ اور مسلمان بھائیوں کے لیے باہمی محبت میں بہترین مثال و کردار ہے۔

فوائد:

- قاتل کا ٹھکانا جہنم ہے۔
- ردعمل میں بھی قتل کرنا جرم ہے۔
- اگر کوئی ظلم کے مقابل خوف خدا کی بنا پر صبر و ثبات سے کام لے اور اپنے ہاتھ خون سے نہ رنگے تو اس کا بہت بڑا اجر ہے۔
- خون خرابہ، غارت گری اور دہشت گردی سے خوفِ رب العالمین ہی باز رکھ سکتا ہے۔

محض شبہ کی بنا پر قتل کی ممانعت:

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ [النساء : ٩٤]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم اللہ کے راستے میں سفر کرو تو خوب تحقیق کر لو اور جو تمھیں سلام پیش کرے اسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں''

مفسر قرآن مولانا حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ لکھتے ہیں: ''احادیث میں ہے کہ بعض صحابہ کرام کسی علاقے سے گزرے جہاں ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا، مسلمانوں کو دیکھ کر چرواہے نے سلام کیا، بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا کہ شاید وہ جان بچانے کے لیے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رہا ہے، چنانچہ انھوں نے بغیر تحقیق کیے اسے قتل کر ڈالا اور بکریاں (بطور غنیمت لے کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔'' [بخاري: ٤٥٩١، ترمذي: ٣٠٣٠، تفسیر سورۂ نساء بحوالہ تفسیر احسن البیان]

اس آیت کی تفسیر میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ محض شبہ کی بناء پر کسی کو کافر خیال کر کے قتل کرنا نہایت مذموم ہے، نیز یہ بھی پتا چلا کہ ضوابط تکفیر اور موانع کفر کا اعتبار کیے بغیر کسی بے گناہ کی تکفیر اور قتل اہلِ ایمان کا منہج تربیت اور طرز عمل قطعاً نہیں ہے۔

قتلِ مسلم کا گناہ اور وبال (احادیث کی روشنی میں):

❁ قتلِ مسلم کا گناہ پوری دنیا کے ہلاک ہونے سے زیادہ ہے۔

سیدنا عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« قَتْلُ الْمُؤْمِنِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ زَوَالِ الدُّنْيَا » [نسائي، كتاب المحاربة، باب تعظيم الدم: ٣٩٩٥- بيهقي: ٢٢/٨]

''ایک مومن کا قتل اللہ تعالیٰ کے نزدیک (گناہ کے اعتبار سے) پوری دنیا کی تباہی سے زیادہ بڑا ہے۔''

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ » [نسائي، كتاب المحاربة، باب تعظيم الدم: ٣٩٩٢]

''پوری دنیا کا تباہ ہو جانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان شخص کے (ناحق) قتل کے مقابلے میں بہت معمولی ہے۔''

❁ قاتل، مقتول کا وارث نہیں ہوسکتا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

« لَا يَرِثُ الْقَاتِلُ شَيْئًا » [مصنف ابن أبي شيبة: ١١/ ٣٥٩]

''قاتل کسی بھی چیز کا وارث نہیں بن سکتا۔''

نوٹ: قتلِ مسلم کے گناہ اور وبال کے بارے میں کافی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

خونِ مسلم کی مباح صورتیں:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُّسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَّا بِإِحْدٰى ثَلَاثٍ الثَّيِّبُ الزَّانِيْ، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكُ لِدِيْنِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ » [مسلم، كتاب القسامة والمحاربين، باب ما يباح به دم المسلم: ١٦٧٦- بخاري: ٦٨٧٨]

''جو بھی مسلمان جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اور بے شک میں (محمد) اللہ کا رسول ہوں تو اس کا خون حلال نہیں سوائے ان تین وجوہات میں سے کسی ایک کی بنا پر ① شادی شدہ زانی۔ ② قصاص میں قتل کرنا۔ ③ جو اپنا دین (اسلام) ترک کر کے (مسلمانوں کی) جماعت سے الگ ہو گیا ہو۔''

فوائد:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کا قتل درج ذیل صورتوں میں مباح اور حلال ہے:

❁ شادی شدہ زنا کا ارتکاب کرے۔

❁ کسی انسان کو ناحق قتل کرے۔

❁ دینِ اسلام سے ارتداد کا ارتکاب کرے۔

❁ مسلمانوں کے مابین پھوٹ ڈالتے ہوئے جماعت سے علیحدگی اختیار کرے، جیسے خوارج وغیرہ۔

انتباہ:

مندرجہ بالا تمام صورتیں اسلامی حدود سے متعلق ہیں اور حدود اللہ کی تنفیذ کا فریضہ صرف اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے، لہٰذا قتل (حدود اللہ کا نفاذ) اسلامی حکومت اور اس کی مشنری (پولیس، عدلیہ وغیرہ) کی نگرانی میں ہوگا، کسی فرد کو قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت ہرگز نہیں دی جائے گی۔ اگر کوئی شخص زانی کو رجم اور قصاص میں قتل کرنا شروع کر دے گا تو اس سے امتِ مسلمہ میں امن و امان کے قیام کی بجائے مزید خون خرابہ اور قتل و غارت کا ایسا دروازہ کھل جائے گا جس کا تدارک ممکن نہیں ہوگا۔

پس اسی حکمت و مقصد کے پیشِ نظر اسلامی حدود کی تنفیذ، صرف اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے، لہٰذا ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کا نظام قائم کرنا، اس کے تحت اسلامی سزاؤں کا نافذ العمل ہونا، شرعی قاضی کا تقرر اور آزاد اسلامی عدالتوں کا قیام عمل میں لانا بھی حکومت کا اہم فریضہ ہے، تاکہ عدل و انصاف کے نام پر ہر کوئی اپنا بدلہ وقصاص لینے کے لیے ہتھیار اور تلوار نہ اٹھائے کہ جس کے نتیجہ میں امتِ مسلمہ کٹی پھٹی نظر آئے۔

اسلام کا اصول قتال و مقاتلہ:

مذکورہ بالا احادیث میں قتل و مقاتلہ کا جو اصول بیان کیا گیا ہے اس کے دو پہلو ہیں:

① ایک پہلو غیر مسلموں کے متعلق ہے، جن کے بارے میں صورتِ حال اور احکامات واضح ہیں۔

❁ اسلام کی دعوت قبول کر لیں۔

❁ ذمی کی حیثیت سے جزیہ ادا کریں۔

❁ دونوں صورتوں کی عدم موجودگی میں جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔

② دوسرا پہلو مسلمانوں سے متعلق ہے اور یہ معاملہ انتہائی نازک اور حساس ہے، مسلمانوں

سے کفار کی طرح کھلی جنگ نہیں کی جا سکتی، ہاں البتہ اگر وہ اسلام کے حق کی زد میں آ کر مستوجبِ سزا بنتا ہے تو اس کا معاملہ بھی اسلامی حکومت کے ذمہ ہے۔

اسلامی حکومت کی عدم موجودگی یا اگر حکومت تنفیذ حدود کا قیام عمل میں نہیں لاتی تو اس صورت میں اربابِ اقتدار کو ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرنا اور دعوت کا فریضہ ادا کرتے رہنا ہر مسلمان پر لازم ہے، نیز اس کے لیے توبہ کا دروازہ ہمہ وقت کھلا ہے۔

قرآن عظیم میں ہے:

﴿فَإِنْ تَابُوْا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾

[التوبة : ١١]

''پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو دین میں تمھارے بھائی ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿فَإِنْ تَابُوْا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ﴾

[التوبة : ٥]

''اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔''

مسئلۂ تکفیر اور فتنۂ تکفیر

مسلمان کو کافر کہنے کا گناہ:

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَيُّمَا امْرِئٍ قَالَ لِأَخِيهِ: يَا كَافِرُ! فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا، إِنْ كَانَ كَمَا قَالَ، وَإِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ)) [مسلم،كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان...... : ٦٠]

''جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو کہا اے کافر! تو کفر ان دونوں میں سے ایک کی طرف ضرور لوٹے گا، اگر وہ شخص واقعی کافر ہوا تو ٹھیک ہے ورنہ یہ کلمہ خود اس کہنے والے کی طرف لوٹ آئے گا۔''

❁ سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكُفْرِ، أَوْ قَالَ: عَدُوَّ اللّٰهِ، وَلَيْسَ كَذٰلِكَ، إِلَّا حَارَ عَلَيْهِ)) [مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان ...... ٦١]

''جس نے کسی شخص کو کافر یا اللہ کا دشمن کہہ کر پکارا، حالانکہ وہ ایسا نہیں ہے تو اس کا کہا ہوا خود اس پر لوٹ آئے گا۔''

انتباہ: مندرجہ بالا احادیث میں ہے کہ ''کفر کہنے والے پر لوٹ آئے گا'' کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ایسا کافر بن جائے گا جو ملت اسلامیہ سے خارج اور ارتداد کا مرتکب ہو اور اس کا قتل واجب ہو۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کو بعض علماء نے مشکلات میں سے شمار کیا ہے، اس لیے کہ اس میں ظاہری معنی مراد نہیں، کیونکہ اہلِ حق کا مذہب ہے کہ مسلمان گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرنے سے کافر نہیں ہوتا، پس اسی طرح اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہنے سے بھی کافر نہ ہوگا جب تک دین اسلام کے بطلان کا اعتقاد نہ کرے۔ (شرح نووی اردو مترجم: ۱/۱۶۰)۔

اس بات کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے نماز میں لمبی قراءت کی، تو ایک شخص نماز سے الگ ہو گیا، سیدنا معاذ کو معلوم ہوا تو انھوں نے کہا کہ یہ منافق ہے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« يَا مُعَاذُ! أَفَتَّانٌ أَنتَ؟ » [بخاري، كتاب الأدب، باب من لم ير...... : ٦١٠٦]

''اے معاذ! کیا تو فتنہ پرور ہے؟''

اسی طرح حاطب بن ابی بلتعہ نے مشرکینِ مکہ کو جنگ سے آگاہ کرنے کے لیے خط لکھا جو پکڑا گیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ منافق ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بدری ہے انھیں اللہ نے معاف کر دیا ہے۔ [بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الفتح: ٤٢٧٤]

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کہنے والے کو نفاق کی طرف نہیں لوٹایا۔

مسلمان کی تکفیر اس کے قتل کی طرح ہے:

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيهِ: يَا كَافِرُ! فَهُوَ كَقَتْلِهِ » [مجمع الزوائد : ٣٨٩/٧، ح : ١٣٠١٦، رواه البزار، وقال : لا نعلمه بهذا اللفظ إلا عن عمران وإسحاق بن إدريس حدث بأحاديث لم يتابع عليه (مختصر زوائد البزار لابن أبي حجر : ١٧٣٠)]

''جب کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی کو ''اے کافر'' کہے تو یہ (گناہ کے اعتبار سے) اس کو قتل کرنے کی طرح ہے۔''

مسلمان کو کافر کہنے کا مطلب:

① کسی مسلمان کو کافر کہنا گویا اس کو مرتد قرار دینا ہے، اور مرتد کی سزا شریعت میں قتل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ)) ''جس نے بھی اپنے دین (یعنی اسلام کو) تبدیل کیا، پس اس کو قتل کر دو۔'' [بخاري: ٦٩٢٢، ٣٠١٧۔ أبوداؤد، كتاب الملاحم، باب الحكم في من ارتد: ٤٣٥١]

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی مسلمان آدمی کا خون حلال نہیں مگر تین وجوہات کی بنا پر (۱) شادی شدہ زانی (۲) کسی کو عمداً قتل کرنے والا۔ (۳) اپنا دین (اسلام) ترک کر کے مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہونے والا۔'' [بخاري، كتاب الديات، باب قول الله تعالىٰ ﴿إن النفس بالنفس......﴾ : ٦٨٧٨۔ مسلم: ١٦٧٦]

❁ مرتدین کے قتل پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔

معلوم ہے کہ عہدِ صدیقی میں جب ارتداد کا فتنہ رونما ہوا تو سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے جہاد و قتال کیا۔ [بخاري، كتاب الزكوٰة، باب وجوب الزكوٰة: ١٤٠٠]

② کسی مسلمان کو کافر کہنے کا مطلب اس کے نکاح کو فسخ قرار دینا ہے۔

③ مسلمان کو کافر کہنے سے اسے وراثت سے محروم کرنا بھی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ، وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ)) [بخاري، كتاب الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ...... : ٦٧٦٤]

''مسلمان، کسی کافر اور کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔''

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ شَتّٰى)) [أبوداؤد، كتاب الفرائض، باب هل يرث المسلم الكافر: ٢٩١١]

''دومختلف دینوں والے ایک دوسرے کے کبھی بھی وارث نہیں بن سکتے۔''

④ علاوہ ازیں تکفیر کے نتائج درج ذیل ہیں:

- ذبیحہ حرام۔
- گواہی نامنظور۔
- ولائت نکاح غیر مقبول۔
- مرنے کے بعد اس کی تجہیز و تکفین اور مسلمانوں کے قبرستان میں تدفین کی ممانعت۔

اس لیے کسی مسلمان پر فتویٔ تکفیر میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لینا چاہیے، اس کی تفصیل ''موانع کفر'' کی بحث میں آئے گی۔ ان شاء اللہ

فتنۂ تکفیر:

کسی مسلمان کو موانع کفر کا لحاظ رکھے بغیر کافر قرار دینا اور اس تکفیری طرزِ عمل کے ذریعے امت میں اشتعال پیدا کرنا فتنۂ تکفیر ہے۔

فتنۂ تکفیر، یہود کی باقیات سیّئات میں سے ہے:

سب سے پہلے یہود نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سلیمان علیہ السلام پر کفر کا فتویٰ لگایا، جس کی تردید قرآن مجید نے ﴿وَ مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ﴾ فرما کر کی۔

[دیکھیے تفسیر أحسن البیان، سورۃ بقرۃ آیت (۱۰۲)]

امتِ مسلمہ میں فتنۂ تکفیر:

مسلمانوں کے اصل دشمن یہودی ہیں، یہودی لابی کا ایک ایجنڈا ''فرقہ واریت'' ہے، یہود کے نقش قدم پر چلنے والے، اس امت میں فتنۂ تکفیر کے شجر خار دار کو سیراب کرنے والے سب سے پہلے خارجی ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ امتِ مسلمہ میں خانہ جنگی کا اصل محرک ہر دور میں فتنۂ تکفیر ہی رہا ہے، جس سے امتِ مسلمہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا اور کئی باطل فرقے معرض وجود میں آئے۔ عصر حاضر میں فتنۂ تکفیر کی نشو و نما کرنے والے وہ نوخیز مفتی ہیں جن کا مبلغ علم ابھی بلوغت کو نہیں پہنچا۔

صورت حال انتہائی المناک ہے،بہت تھوڑے لوگ ہیں جو فتویٔ تکفیر کی زد میں نہ ہوں، مذہبی و تنظیمی باہمی نزاعات اور اپنی پسند و نا پسند، حسد وعناد کی بنا پر قلم برداشتہ مفتی حضرات اور واعظین شعلہ بیان آئے دن کفر کے فتاویٰ جات اور بیان جاری کرتے رہتے ہیں، بلکہ اپنے مناظروں، مکالموں اور تحریر وتقریر کے ذریعے تکفیرِ اہل اسلام پر زور دیتے ہیں،بعض حضرات تو مشغلۂ تکفیر میں اس قدر آگے نکل جاتے ہیں کہ انھیں اپنے سوا کوئی مسلمان نظر نہیں آتا۔ بقول شاعر ؎

امت کو بانٹ ڈالا کافر بنا بنا کر
اسلام اے فقیہو! ممنون ہے تمھارا

الغرض! امتِ مسلمہ کی حالتِ زار نا قابل گفتہ ہے،''تنزل و پستی'' نا قابل دید ہے، محکومی و غلامی نا قابل برداشت ہے، مذہبی و سیاسی صورت حال انتہائی غمناک ہے،غرضیکہ امتِ مسلمہ ہر اعتبار سے انتشار و افتراق کا شکار ہے، ایسے میں نت نئے کفر کے فتوے، فرقہ واریت کی آگ پر تیل اور زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف ہیں۔

ہمیں غور کرنا چاہیے کہ کیا اس تکفیری طرزِ عمل سے امتِ مسلمہ کو کوئی فائدہ پہنچ رہا ہے؟ قطعاً نہیں۔ تو ضرورت اس امر کی ہے کہ امتِ مسلمہ کو متحد کرنے کی کوشش اور دعوت کے ساتھ لوگوں کی اصلاح کی جائے۔

یاد رکھیے! افراد کی تکفیر سے نفرتیں، عداوتیں اور دوریاں بڑھتی ہیں،محبتِ فاتح عالم پیدا نہیں ہوتی۔

نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((لَأَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلاً وَّاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ أَنْ يَّكُونَ لَكَ حُمُرُ النَّعَمِ)) [مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب :٢٤٠٦]

''تمھارے ذریعے اللہ تعالیٰ کسی ایک آدمی کو ہدایت دے دے یہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے۔''

❁ امت مسلمہ میں فتنۂ تکفیر کے بانی ''الخوارج'' ہیں، لہٰذا ان کی تاریخ و تعارف، عقائد و نظریات اور منہج و افکار کا معلوم ہونا فتنۂ تکفیر سے بچاؤ کے لیے اشد ضروری ہے۔

خوارج کی وجہ تسمیہ:

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اَلْخَوَارِجُ : فَهُمْ جَمْعُ خَارِجَةٍ، أَيْ طَائِفَةٌ، وَهُمْ قَوْمٌ مُبْتَدِعُوْنَ سُمُّوْا ذٰلِكَ بِخُرُوْجِهِمْ عَنِ الدِّيْنِ وَ خُرُوْجِهِمْ عَلٰى خِيَارِ الْمُسْلِمِيْنَ"

[فتح الباري : ١٢/ ٢٨٣۔ تحفة الأحوذي للمباركفورى : ٦/ ٣٥٤]

''خَوَارِجُ، خَارِجَةٌ'' کی جمع ہے، جس کا معنی گروہ ہے اور وہ ایسے لوگ ہیں جو بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں، ان کو دین اسلام سے نکل جانے کے باعث اور خیار امت کے خلاف خروج کرنے کی وجہ سے یہ نام دیا گیا ہے۔''

فتنۂ خوارج اور قرآن مجید کے تفسیری اقوال:

① اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ﴾ [آل عمران : ٧]

''پھر جن لوگوں کے دلوں میں تو کجی ہے وہ اس میں سے ان کی پیروی کرتے ہیں جو کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں، فتنے کی تلاش کے لیے اور ان کی اصل مراد کی تلاش کے لیے۔''

اکثر مفسرین نے اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں متشابہات کی پیروی، فتنہ پردازی اور کج روی اختیار کرنے کو ''خوارج'' کی علامات قرار دیا ہے، مثلاً:

❁ حافظ ابن کثیر نے بھی اس سے مراد ''خوارج'' ہی لیے ہیں۔[تفسیر ابن کثیر : ١٠،٩/٢]

❁ ایک قول کے مطابق امام خازن نے اس سے خوارج مراد لیے ہیں۔

[تفسير لباب التأويل في معاني التنزيل المعروف تفسير خازن ٢٢٦/١]

❋ امام سیوطی نے بھی اہل زیغ سے مراد، خوارج ہی کو قرار دیا ہے۔
[تفسير الدر المنثور للسيوطي : ٣/٤٥٥ـ وفي نسخة ٣/٤٥٤]

② اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ﴾

[آل عمران : ١٠٦]

''جس دن کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے، تو وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے، کیا تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا؟ تو عذاب چکھو، اس وجہ سے کہ تم کفر کیا کرتے تھے۔''

اس آیت مبارکہ سے بظاہر تو مرتدین مراد ہیں، درحقیقت یہ تمام کفار کو شامل ہے جیسا کہ شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے بھی وضاحت کی ہے۔ (دیکھیے : موضح القرآن) مگر امام سیوطی رحمہ اللہ نے تفسیر الدرالمنثور ۳/ ۴۵۴، میں اس سے خوارج ہی مراد لیے ہیں کہ خوارج ہی مرتد ہیں اور بھی کئی ایک مفسرین نے اس آیت سے خوارج مراد لیے ہیں، دیکھیے ابن کثیر وغیرہ۔

③ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۙ أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ﴾

[الرعد : ٢٥]

''اور زمین میں فساد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے لعنت ہے اور انھی کے لیے اس گھر کی خرابی ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَ قَالَ سَعْدُ بْنُ أَبِيْ وَقَّاصٍ : وَاللّٰهِ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، إِنَّهُمُ الْحُرُوْرِيَّةُ'' [الجامع للأحكام القرآن للقرطبي]

''سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں! بے شک یہ حروریہ (یعنی خوارج) ہیں۔''

مفسرین کی تصریحات بالا سے معلوم ہوا کہ خوارج زمین میں فساد کرنے والے اور مستحقِ لعنت ہیں۔ نیز روزِ قیامت روسیاہ ہوں گے۔

فتنۂ خوارج، احادیث کی روشنی میں:

① سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَأْتِي فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ حُدَثَاءُ الْأَسْنَانِ، سُفَهَاءُ الْأَحْلَامِ، يَقُولُونَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ، يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، لَا يُجَاوِزُ إِيمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ فَأَيْنَمَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ، فَإِنَّ قَتْلَهُمْ أَجْرٌ لِمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) [بخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام: ٣٦١١]

”آخر زمانے میں ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو کم عمر اور عقل وفکر سے کورے ہوں گے، وہ بظاہر لوگوں سے اچھی باتیں کریں گے مگر دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے، ان کا ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، پس (دوران جنگ) جہاں بھی ان سے سامنا ہو انھیں قتل کر دیا جائے، کیونکہ ان کا قتل کرنا قیامت کے دن باعث اجر وثواب ہے۔“

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ روایت ابوسعید اور ابوذر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

② سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كِلَابُ أَهْلِ النَّارِ، كِلَابُ أَهْلِ النَّارِ، كِلَابُ أَهْلِ النَّارِ ثُمَّ بَكَى، ثُمَّ قَالَ: شَرُّ قَتْلَى تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ، وَخَيْرُ قَتْلَى مَنْ قَتَلُوا))

[مسند الحميدي : ٢/١٥٤، ح : ٩٣٢ إسناده حسن، انظر نسخة محققة حسين سليم أسد الداراني]

”(خوارج) جہنم کے کتے ہیں، تین بار فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم روئے، پھر فرمایا:

''آسمان کے نیچے بدترین مقتول یہی ہیں اور بہترین مقتول وہ ہیں جنھیں خوارج نے قتل کیا۔''

③ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج کے بارے میں فرمایا:

((يَقْتُلُهُمْ خِيَارُ أُمَّتِي وَ هُمْ شِرَارُ أُمَّتِي)) [مجمع الزوائد للهيثمي : ٦/ ٢٥٧]

''انھیں قتل کرنے والے میری امت کے بہترین لوگ ہوں گے اور وہ (خوارج) میری امت کے بدترین لوگ ہیں۔''

فوائد:

- خوارج بظاہر بڑے دین دار اور صوم وصلوٰۃ کے پابند نظر آئیں گے، مگر دین سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔
- خوارج عمر وعقل کے کچے ہوں گے۔
- بظاہر لوگوں سے اچھی باتیں کریں گے لیکن کردار کے برے ہوں گے۔
- خوارج کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں باعث اجر ہوگا۔
- خوارج جہنم کے کتے ہیں۔
- خوارج امت کے بدترین لوگ ہوں گے۔

فتنۂ خوارج......عہدِ رسالت میں:

فتنۂ خوارج کا آغاز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ہی ہوگیا تھا، جب بنوتمیم کے ''ذوالخویصرہ'' نامی شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر طعنہ زنی کرتے ہوئے گستاخی کا ارتکاب کیا، تو یہیں سے فکرِ خوارج نے جنم لیا، یہی شخص خوارج کی فکر و روش کا بانی ہے اور اسی فکر وفتنۂ خوارج نے بعد ازاں امتِ مسلمہ میں انتشار وافتراق پیدا کیا۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((بَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْسِمُ ذَاتَ يَوْمٍ قِسْمًا فَقَالَ ذُوالْخُوَيْصِرَةِ: رَجُلٌ مِّنْ بَنِي تَمِيمٍ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اعْدِلْ، قَالَ: وَيْلَكَ،

مَنْ يَّعْدِلُ إِذَا لَمْ أَعْدِلْ؟ فَقَالَ عُمَرُ: ائْذَنْ لِيْ فَلأَضْرِبْ عُنُقَهُ، قَالَ: لَا، إِنَّ لَهُ أَصْحَابًا يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلاَتَهُ مَعَ صَلاَتِهِمْ، وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ، يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمُرُوْقِ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ ﴾ [بخاري، كتاب الأدب، باب ما جاء في قول الرجل ويلك : ٦١٦٣]

''ایک روز نبی کریم ﷺ ہمارے درمیان مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو بنو تمیم کے ''ذوالخویصرہ'' نامی شخص نے کہا: یا رسول اللہ! انصاف کیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرے لیے بربادی ہو! اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون انصاف کرے گا ؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، اس کے ایسے ساتھی ہوں گے کہ ان کی نمازوں کے مقابلے میں اپنی نمازوں کو اور روزوں کے مقابلے میں اپنے روزوں کو معمولی سمجھو گے، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کے آر پار نکل جاتا ہے۔''

اس حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ نے باب باندھا ہے: " بَابُ مَنْ تَرَكَ قِتَالَ الْخَوَارِجِ لِلتَّأَلُّفِ وَلِئَلَّا يَنْفِرَ النَّاسُ عَنْهُ " [بخاري، قبل الحديث : ٦٩٣٣] ''دل ملانے کے لیے (مصلحت کی بنا پر) خارجیوں کو قتل نہ کرنا اور تاکہ لوگوں میں نفرت پیدا نہ ہو'' اور امام نووی رحمہ اللہ کی تبویب اس حدیث پر یہ ہے: "بَابُ ذِكْرُ الْخَوَارِجِ وَ صِفَاتِهِمْ" [مسلم، قبل الحديث: ١٠٦٣] ''خارجیوں کا ذکر اور ان کی صفات کا بیان''

شیخین نے اس حدیث سے خوارج ہی مراد لیے ہیں جن کا بانی ذوالخویصرہ نامی شخص ہے۔

امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ فَقَالَ: ابْنُ ذِى الْخُوَيْصِرَةِ التَّمِيْمِيُّ وَهُوَ حَرْقُوْصُ ابْنُ زُهَيْرٍ أَصْلُ الْخَوَارِجِ " [فتح الباري : ٢٩٢/١٢ـ الإصابة في تمييز الصحابة : ٤٩/٢]

''عبدالرزاق سے مروی ہے کہ'' ابن ذی الخویصرہ التمیمی'' کا اصل نام ''حرقوص بن زہیر'' ہے، یہی خوارج کا بانی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی نے بھی عمدۃ القاری (۶۲/۱۵) میں یہی مفہوم نقل کیا ہے۔

فتنۂ خوارج......عہدِ عثمانی میں:

وفاتِ نبوی کے بعد امت میں بہت سے فتنے رونما ہوئے، مثلاً: ارتداد کا فتنہ، انکارِ زکوٰۃ کا فتنہ، مدعیان نبوت کا فتنہ، انھی فتنوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خوارج باغیانہ نظریات کی ترویج وتشکیل کرتے رہے، حتیٰ کہ دورِ عثمانی میں بلوائی تحریک کے سرگرم شخص ''عبداللہ بن سبا'' کے انتہا پسندانہ رجحان بھی اسی فکر کا نتیجہ تھے جس کا انجام شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کی شکل میں سامنے آیا۔

عہدِ علوی میں خوارج کی منظّم تحریک کا آغاز:

❁ فتنۂ تکفیر کا پہلا ہدف......سیدنا علی وسیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما:

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد قصاص عثمان کے سلسلے میں امتِ مسلمہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دو گروہ معرض وجود میں آ گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلافت کی مسند پر تھے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خونِ عثمان کے قصاص کا مطالبہ کر رہے تھے، ان دونوں میں اجتہادی بنا پر دوری بڑھتی گئی۔

اس اجتہادی نزاع سے خوارج نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ پہلے وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں لڑتے رہے مگر جونہی جنگِ صفین کے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خون ریزی سے بچنے کے لیے پرامن مصالحت، تحکیم یعنی ثالثی کے راستے کو اپنایا، تو خارجی لوگ اس پرامن مصالحت اور تحکیم کے عمل کو رد کرتے ہوئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے نکل گئے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کافر کہنے لگے۔ (معاذ اللہ)

نیز ایک باغی گروہ تیار کر کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور امت مسلمہ کے خلاف برسرپیکار ہو گئے۔

اس فتنے کے مکمل ظہور کے وقت انھوں نے نعرہ لگایا:

" تُحَكِّمُونَ فِيُ أَمرِ اللّٰهِ الرِّجَالَ؟ لَا حُكُمَ إِلَّا لِلّٰهِ"

[دیکھیے الکامل لابن أثیر: ٧٦/٢]

''اللہ تعالیٰ کے امر میں بندوں کو حاکم بناتے ہو، جبکہ اللہ کے علاوہ کسی کا حکم نہیں۔''

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جب ان کے اس عمل کی آگاہی ہوئی تو فرمایا:

((كَلِمَةُ حَقٍّ أُرِيُدَ بِهَا بَاطِلٌ)) [مسلم، كتاب الزكاة، باب تحريض على قتل الخوارج : ١٠٦٦/١٥٧ـ بيهقي : ١٧١٤٦ـ ابن أبي شيبة : ٣٢٦/١٥]

''بات تو حق ہے مگر اس کا مقصد باطل ہے۔''

بعض کتب تواریخ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بھی موجود ہے:

" إِنُ سَكَتُوا غَمَمُنَاهُمُ وَ إِنُ تَكَلَّمُوا حَجَجُناهُمُ وَ إِنُ خَرَجُوا عَلَيُنَا قَاتَلُنَاهُمُ " [الكامل لابن أثير : ٨١/٢]

''اگر وہ خاموش رہے تو ہم ان پر چھائے رہیں گے اور اگر انھوں نے بات کی تو ہم دلیل سے بات کریں گے اور اگر انھوں نے ہم پر خروج کیا تو ہم ان سے جنگ کریں گے۔''

خوارج نے اپنا مستقل مرکز ''حروراء'' مقام کو بنا لیا تھا جو عراق کی سرحد پر واقع ہے۔ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف کفر، شرک اور بدعت کے فتوے لگائے جس سے امت میں فتنۂ تکفیر کی بنیاد مضبوط ہوئی اور اسی تکفیری طرز عمل پر مسلح بغاوت اور قتل و غارت کی ابتدا کی اور آج تک وہی خارجی اور تکفیری افکار و نظریات کے حامل لوگ امتِ مسلمہ کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا رہے ہیں۔

بہر حال سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کی سرکوبی کی اور ان کا قلع قمع کیا، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل کتب میں ملاحظہ کیجیے:

مسلم، كتاب الزكاة، باب التحريض على قتل الخوارج : ١٠٦٦ـ

أبو داوٗد،٤٧٦٣ ...... : ٤٧٧١ـ مسند أحمد : ٩١/١ـ

مصنف عبد الرزاق : ١٠/ ١٤٧ — بيهقي : ١٧١/٨۔
معجم الأوسط : ٢٢٧/٤۔ — مجمع الزوائد : ٢٢٧/٤۔
فتح الباري : ٢٩٦/١٢۔ — نيل الأوطار : ٣٤٩/٤۔
تاريخ بغداد : ١٤/ ٣٦٢ ۔ — وغيرهم۔

فتنۂ خوارج ......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں :

❁ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا خوارج کو قتل کرنا:

" فَقَالَ (ابْنُ شَدَّادٍ) وَاللّٰهِ مَا بَعَثَ إِلَيْهِمْ حَتّٰى قَطَعُوا السَّبِيْلَ وَسَفَكُوا الدَّمَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَتَلُوا ابْنَ خَبَّابٍ وَاسْتَحَلُّوْا أَهْلَ الذِّمَّةِ "

[مستدرك حاكم : ٢/ ١٥٣، ح : ٢٦٥٧]

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب ابن شداد سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خوارج کو قتل کرنے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! اس (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) نے انھیں قتل نہیں کیا حتیٰ کہ انھوں (خوارج) نے راہ گیروں سے سامان چھینا اور ناحق لوگوں کا خون بہایا اور انھوں نے ابن خباب کو قتل کیا اور ذمیوں کے قتل کو حلال سمجھا۔''

❁ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

" يَقُوْلُوْنَ الْحَقَّ بِأَلْسِنَتِهِمْ لَا يَجُوْزُ هٰذَا مِنْهُمْ وَأَشَارَ إِلٰى حَلْقِهٖ "

[مسلم، كتاب الزكوٰة، باب التحريض على قتل الخوارج : ١٠٦٦]

''وہ اپنی زبانوں سے حق بات کہیں گے اور یہ (حق) ان سے نہیں اترے گا اور آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا۔''

مطلب یہ ہے کہ وہ حق کی بات کہیں گے مگر یہ حق ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، یعنی ان کے دل اس حق سے منکر ہوں گے۔

جیسا کہ خوارج نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ''لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ'' کا پُرکشش نعرہ لگایا۔

❁ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

" يؤمنون بمحكمه و يهلكون عند متشابهه "

[فتح الباري : ١٢/ ٣٠٠]

''وہ محکم آیات کو مانیں گے اور متشابہ آیات کے سبب ہلاک ہوں گے۔''

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

" إِنَّهُمُ انْطَلَقُوا إِلَى آيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَيَجْعَلُوهَا عَلَى الْمُؤْمِنِينَ "

[بخاري، كتاب استتابة المرتدين، باب قتل الخوارج...... : ٦٩٢٩]

''وہ کفار کے حق میں نازل ہونے والی آیات کا اطلاق مسلمانوں پر کریں گے۔ (تاکہ تکفیر وقتل کی راہ ہموار کرسکیں۔)''

اس کی مثال آیت تحکیم ہے:

" عن بكير أنه سأل نافعا كيف رأى ابن عمر في الحروريه قال: يراهم شرار خلق الله، إنهم انطلقوا إلى آيات أنزلت في الكفار فجعلوها علي المؤمنين . فسر سعيد بن جبير من ذالك فقال: مما يتبع الحرورية من المتشابه قول الله تعالى: ﴿وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [الاعتصام للشاطبي : ٢/ ٦٩٢، ٦٩٣ بتحقيق سليم الهلالي حفظه الله]

''بکیر کہتے ہیں کہ انھوں نے نافع سے پوچھا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا حروریہ (خوارج) کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو فرمایا: آپ ان کو اللہ کی مخلوق میں سے بدترین دیکھتے ہیں کیونکہ انھوں نے کفار کے بارے نازل ہونے والی آیات کا مومنوں پر اطلاق کیا ہے۔ سعید بن جبیر نے اس بات کی تفسیر کی ہے کہ حروری (خوارج) متشابہات میں سے کس کا اتباع کرتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔''

❁ سیدنا نافع فرماتے ہیں:

" أن ابن عمر كان إذا سئل عن الحرورية قال يكفرون المسلمين و يستحلون دماء هم و أموالهم " [الاعتصام للشاطبي : ١٨٤/٤]

''جب ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حروریہ کے تعلق پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: یہ مسلمانوں کو کافر گردانتے ہیں اور ان کے خون واموال کو حلال سمجھتے ہیں۔''

خوارج کے عقائد ونظریات:

❁ علامہ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" وقال القاضي أبو بكر بن العربي : الخوارج صنفان : أحدهما يزعم أن عثمان و عليا و أصحاب الجمل و صفين و كل من رضي بالتحكيم كفار، والآخر يزعم أن كل من أتى كبيرة فهو كافر، مخلد في النار أبدًا و زاد نجدة على معتقد الخوارج أن من لم يخرج و يحارب المسلمين فهو كافر، ولو اعتقد معتقدهم "

[فتح الباري : ٢٨٣/١٢ ـ ٢٨٥ ـ ١٦٧/١٦ ـ ط ـ دار طيبه ـ فتح الباري : ١٢/ ٢٨٥ ـ ١٦٦/١٦، ١٦٧ ـ ط ـ دار طيبه]

''قاضی ابو بکر بن العربی فرماتے ہیں کہ خوارج کی دو قسمیں ہیں، ان میں ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ سیدنا عثمان وعلی، جنگ جمل وصفین والے اور وہ تمام لوگ جو تحکیم سے راضی ہوئے، سب کافر ہیں اور دوسرا گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جس شخص نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا وہ کافر ہے، وہ ہمیشہ آگ میں رہنے والا ہے۔ نجدہ (بن عامر۔ یمامہ کا خارجی لیڈر) نے خوارج کے مذکورہ بالا عقائد پر اضافہ کرتے ہوئے کہا: جو شخص امت مسلمہ کے خلاف بغاوت اور ان (خوارج) کے ساتھ مل کر مسلح جنگ نہ کرے تو وہ بھی کافر ہے اگرچہ وہ ان (خوارج) جیسے عقائد ہی رکھتا ہو۔''

❁ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے الملل والنحل للشهرستاني (ص: ۱۱۵)۔ مجموع الفتاویٰ لابن تیمیة (۷/ ۴۸۱، ۱۹/ ۷۲)، الفرق بین الفرق عبد القادر البغدادي کا مطالعہ بھی کیجیے۔

❁ عبد القادر البغدادی لکھتے ہیں: ''الکعبی نے اپنی کتاب عقائد میں بیان کیا ہے کہ خوارج کے فرقوں کے باہمی افتراق کے باوجود جو عقائد ان سب میں مشترک ہیں وہ یہ ہیں:

① سیدنا عثمان وعلی، دونوں ثالثوں (سیدنا ابوموسیٰ اشعری اور عمرو بن العاص) اصحاب جمل (سیدہ عائشہ، زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہم) اور ہر وہ شخص جو دونوں ثالثوں کے فیصلوں سے راضی ہوا، وہ سب کے سب کافر ہیں۔

② کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والوں کی تکفیر۔

③ ظالم حکمران کے خلاف ''خروج'' و بغاوت۔ (الفرق بین الفرق، ۱۱۶، مترجم اردو)

خوارج کی شقاوت قلبی اور انتہا پسندی:

❁ خوارج نے عبد اللہ بن خباب رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ کو صرف اس وجہ سے بے دردی سے ذبح کر دیا کہ وہ سیدنا علی اور عثمان رضی اللہ عنہما کو کافر نہیں کہتے تھے، تاریخ اس بات کی گواہ ہے:

" فَأَضْجَعُوهُ فَذَبَحُوهُ فَسَالَ دَمُهُ فِي الْمَآءِ وَ أَقْبَلُوا إِلَى الْمَرْأَةِ فَقَالَتْ: أَنَا امْرَأَةٌ، أَلَا تَتَّقُونَ اللّٰهَ ؟ فَبَقَرُوا بَطْنَهَا وَقَتَلُوا ثَلَاثَ نِسْوَةٍ مِنْ طَيٍّ "

[الكامل لابن أثير : ۳/۲۱۹، البداية والنهاية : ۷/۲۸۸۔ فتح الباري : ۱٦/۱٦٦ ـط۔دار طيبة]

''پس انھوں (یعنی خوارج) نے اس (عبد اللہ بن خباب رضی اللہ عنہ) کو چت لٹا کر ذبح کر دیا، آپ کا خون پانی میں بہہ گیا تو وہ آپ کی زوجہ کی طرف بڑھے، اس نے خوارج سے کہا: میں عورت ہوں، کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے؟ پس انھوں نے اس کا پیٹ چاک کر دیا اور قبیلہ طے کی تین خواتین کو بھی قتل کر ڈالا۔''

امام ابن اثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں، اس واقعہ کی اطلاع جب علی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انھوں نے

حارث بن مرّہ کو دریافتِ احوال کے لیے بھیجا تو خوارج نے انھیں بھی قتل کر ڈالا۔

البداية والنهاية (۳۱۹/۷) میں ہے۔ اس واقعہ کے بعد خوارج نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جواب بھیجا:

" كُلُّنَا قَتَلَ إِخْوَانَكُمْ وَنَحْنُ مُسْتَحِلُّوْنَ دِمَاءَ هُمْ وَدِمَاءَ كُمْ " کہ ہم سب نے تمھارے بھائیوں کو قتل کیا ہے اور ہم تمھارے خون کو بھی جائز سمجھتے ہیں اور ان کے خون کو بھی۔

اس واقعہ سے خوارج کی انتہا پسندی کا بخوبی علم ہو جاتا ہے، نیز یہ بھی پتا چلتا ہے کہ خوارج، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عامۃ المسلمین کو کافر ومشرک قرار دیتے ہیں، انھیں واجب القتل اور مباح الدم سمجھتے تھے اور موقع ملنے پر قتل سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔

خوارج کی منہجی علامات:

① نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" يَقْتُلُوْنَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَ يَدَعُوْنَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ " [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ : ﴿ وإلى عاد اخاهم هودا ﴾ : ٣٣٤٤]

''اہلِ اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔''

② " يَطْعَنُوْنَ عَلٰى أُمَرَائِهِمْ وَ يَشْهَدُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالضَّلَالَةِ "

[مجمع الزوائد : ٢٢٨/٦۔ كشف الأستار عن زوائد البزار : ١٨٥٠، ٣٥٩/٢۔ ٣٦٠۔ط۔مؤسسة الرسالة۔ مختصر زوائد مسند البزار لابن حجر : ١٤٠٨، ٥٤/٢]

''وہ اپنے امراء پر طعنہ زنی کریں گے اور ان پر گمراہی کا فتویٰ دیں گے۔''

③ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((قَوْمٌ يُحْسِنُوْنَ الْقِيْلَ وَيُسِيْئُوْنَ الْفِعْلَ...... يَدْعُوْنَ إِلٰى كِتَابِ اللّٰهِ وَ لَيْسُوْا مِنْهُ فِيْ شَيْءٍ)) [أبوداؤد، كتاب السّنة، باب في قتال الخوارج : ٤٧٦٥۔ المستدرك : ١٤٨/٢۔ مسند أبي يعلٰى : ٣١١٧۔ مسند أحمد، ٢٢٤/٣ : ١٣٣٣٨]

''وہ ایک ایسی قوم ہے جو باتیں اچھی کرے گی اور کردار کے لحاظ سے بہت بُرے

ہوں گے وہ اللہ کی کتاب کی دعوت دیں گے لیکن قرآن کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔‘‘

④ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

" فَإِنَّهُمْ قَدْ سَفَكُوا الدَّمَ الْحَرَامَ " [مسلم، كتاب الزكوٰة، باب التحريض على قتل الخوارج : ١٠٦٦]

’’بے شک انھوں نے ناحق خون بہایا ہے۔‘‘

⑤ خوارج کی دیگر علامات تاریخی وتحریکی پس منظر میں۔

❁ سیدنا عثمان وعلی رضی اللہ عنہما اور ان کے محبّین ومتبعین کو کافر اور جہنمی قرار دینا۔ [فتح الباري : ١٢/٢٨٣، ٢٨٥]

❁ کبیرہ گناہ کے مرتکب مسلمانوں کی تکفیر کرنا۔ [فتح الباري : ١٢/٢٨٣]

❁ ظالم و فاسق حکمرانوں کے خلاف خروج و بغاوت کرنا۔ [مجمع الزوائد : ٦/٢٢٨]

❁ جو خوارج کے ساتھ مل کر امتِ مسلمہ کے خلاف جنگ نہ کرے ان کی تکفیر کرنا۔ [فتح الباري: ١٢/٢٨٣، ٢٨٥]

❁ خوارج کا ذمی اور معاہد کے خون کو مباح سمجھنا۔ [مستدرك حاكم : ٢/١٥٢]

خوارج کے منہج پر عمل پیرا ہونے والے بھی خارجی ہیں:

❁ علامہ محمد بن عبدالکریم شہرستانی فرماتے ہیں:

" كل من خرج عن الإمام الحق الذي اتفقت الجماعة عليه يسمى خارجيًا سواء كان الخروج في أيام الصحابة على الأئمة الراشدين أو كان بعدهم على التابعين بإحسان والأئمة في كل زمان " [الملل و النحل ص : ١١٤]

’’ہر وہ شخص جو مسلمانوں کے متفقہ شرعی امام و امیر سے خروج اختیار کرے، اسے خارجی کہا جائے گا خواہ یہ خروج صحابہ کے دور میں ہو، خلفائے راشدین یا ان

کے بعد تابعین اور ہر زمانے کے خلفاء کے خلاف ہو۔''

یہی بات علامہ عینی نے بھی "عمدة القاري : ۱۹/۴۵۳ تحت باب قتل الخوارج والملحدين بعد إقامة الحجة عليهم ۔ط۔المكتبة التوقيفيه " میں لکھی ہے۔

✽ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" أنهم لا يزالون يخرجون الى زمن الدجال و قد اتفق المسلمون على ان الخوارج ليسوا مختصين بذالك العسكر "

[مجموع الفتاویٰ : ۲۸/۴۹۶]

''بے شک وہ (خوارج) دجال کے زمانے تک نکلتے رہیں گے اور مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ خوارج وہ مخصوص لشکر نہیں ہے۔ (جو تاریخ میں مشہور ہے)''

مزید لکھتے ہیں:

" (وَتَخْصِيصُهُ أَسْلَمَ وَغِفَارَ وَجُهَيْنَةَ وَتَمِيمًا وَأَسَدًا وَغَطَفَانَ وَغَيْرَهُمْ بِأَحْكَامٍ: لِمَعَانٍ قَامَتْ بِهِمْ وَكُلُّ مَنْ وُّجِدَتْ فِيهِ تِلْكَ الْمَعَانِي أُلْحِقَ بِهِمْ، لِأَنَّ التَّخْصِيصَ بِالذِّكْرِ لَمْ يَكُنْ لِاخْتِصَاصِهِمْ بِالْحُكْمِ، بَلْ لِحَاجَةِ الْمُخَاطِبِيْنَ اذَا ذَاكَ إِلَى تَعْيِيْنِهِمْ "

[مجموع الفتاویٰ لابن تیمیة : ۲۸/۴۷۶]

(''نبی کریم ﷺ کا اس گروہ کی تخصیص فرمانا جو دورِ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ میں نکلا تھا) اس کے کئی معانی ہیں جو ان پر صادق آتے ہیں، ہر وہ فرد یا گروہ جس میں وہ صفات پائی جائیں اسے بھی ان کے ساتھ ملایا جائے گا کیونکہ ان کی تخصیص کا ذکر کرنا، ان کے ساتھ حکم کو خاص کرنے کے لیے نہیں تھا بلکہ مخاطب لوگوں کو ان (خوارج) کے تعیین کی حاجت تھی۔''

خوارج کا حکم:

✽ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب باندھا ہے: "باب قتال الخوارج والملحدين بعد

إقامة الحجة عليهم "[تحت الحديث: ٦٩٣٠]
''خارجیوں اور ملحدوں (بے دینوں) پر دلیل قائم کرنے کے بعد لڑنا۔''

❁ معلوم ہوا خوارج کے ساتھ جنگ سے پہلے ان پر حجت قائم کرنا ضروری ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے، ﴿وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ ''اور ہم کبھی عذاب دینے والے نہیں یہاں تک کہ کوئی پیغام پہنچانے والا بھیجیں۔''

❁ صحیح مسلم پر امام نووی نے باب باندھا ہے: "باب التحريض على قتل الخوارج"
[المسلم، كتاب الزكاة، قبل الحديث : ١٠٦٦]
''خارجیوں کو قتل کرنے کی ترغیب کا بیان''

❁ امام نووی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:
" قوله ﷺ « فَإِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ فَإِنَّ فِيْ قَتْلِهِمْ أَجْرًا » هذا تصريح بوجوب قتال الخوارج والبغاة وهو إجماع العلماء."
[نووي شرح مسلم : ٢٧/٤، : ١٧٧١]
''آپ ﷺ کا فرمان (پس جب تم ان (خارجیوں) سے ملو تو ان کو قتل کرو پس بے شک ان کو قتل کرنے میں اجر ہے'' یہ خارجیوں اور باغیوں سے قتال کے وجوب کی صراحت ہے اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔''[1]

❁ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:
« شَرُّ قَتْلٰى قُتِلُوْا تَحْتَ أَدِيْمِ السَّمَآءِ، وَ خَيْرُ قَتِيْلٍ مَنْ قَتَلُوْا كِلَابَ أَهْلِ النَّارِ، قَدْ كَانَ هٰؤُلَاءِ مُسْلِمِيْنَ فَصَارُوْا كُفَّارًا » [ترمذي : ٣٠٠٠۔ ابن ماجه، المقدمة : ١٧٦۔ مسند أحمد : ٢٢١٨٣ (صحيح بطرقه)]
''خوارج آسمان کے نیچے قتل کیے جانے والوں میں سب سے بدترین لوگ ہیں

[1] سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ لوگ امن و امان خراب کریں، لوگوں کو خوف زدہ کریں تو پھر ان کے ساتھ لڑائی کی جائے، جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اس بات کا پیغام بھیجا۔

اور بہترین شہید وہ ہیں، جن کو خوارج قتل کریں، خوارج جہنم کے کتے ہیں، پس یہ لوگ (خروج سے پہلے) مسلمان تھے مگر پھر (خروج کے بعد) کافر ہو گئے۔“

خوارج کے متعلق رسالت مآب ﷺ کا فیصلہ:

① نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ ثَمُودَ)) [بخاري، كتاب المغازي، باب بعث علي بن أبي طالب...... : ٤٣٤٩]

”البتہ اگر میں انھیں پالوں تو ضرور قوم ثمود کی طرح ان کو قتل کر ڈالوں۔“

② نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((فَأَيْنَمَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ)) [بخاري، كتاب استتابة المرتدين......، باب قتل الخوارج...... : ٦٩٣٠]

”پس جہاں کہیں بھی انھیں پا لو تو انھیں کو قتل کر ڈالو۔“

انتباہ: خوارج، ملحدین اور باغیوں کا قتل ہر کس و ناکس کا کام نہیں بلکہ یہ مسلم حکمران کی ذمہ داری ہے، جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

” وقتال اللُّصوص والخوارج جائز إذا عرضوا للرجل في نفسه وماله فله أن يقاتل عن نفسه وماله، ويدفع عنها بكل ما يقدر، وليس له إذا فارقوه أو تركوه أن يطلبهم، ولا يتبع آثارهم، ليس لأحد إلا الإمام أو ولاة المسلمين.“

[أصول السنة مع رياض الجنة، ص :١٣، ص :٢٨٨]

خارجیوں اور تکفیریوں کی پہلی اور بنیادی غلطی فہم توحید میں ہے:

اسلام کی پہلی بنیاد توحید ہے:

رسول اللہ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجتے ہوئے فرمایا:

((فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَى أَنْ يُوَحِّدُوا اللّٰهَ تَعَالٰى)) [بخاري، كتاب

التوحید، باب ما جاء في دعاء النبي ﷺ...... : ۷۳۷۲۔ مسلم : ۱۹]

''پس چاہیے کہ تو سب سے پہلے انھیں اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دے۔''

توحید کی تین اقسام ہیں:

① توحید الوہیت۔

② توحید ربوبیت۔

③ توحید اسماء وصفات۔

توحید کی یہ تینوں اقسام علمائے امت میں مسلّم و متفق ہیں، مگر بعض معاصرین داعیان توحید نے خلطِ مبحث کرتے ہوئے توحید کی ایک اور قسم ''توحید حاکمیت'' بھی ایجاد کر دی۔

حالانکہ توحید حاکمیت یعنی اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا، توحید الوہیت ہی کو متضمن ہے، نیز اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ﴾ توحید ربوبیت کو بھی شامل ہے، توحید حاکمیت کا معنی اس کے سوا کیا ہوگا کہ حکم اور فرمانروائی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے تو یہی معنی توحید ربوبیت میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کا رب ہے، خالق ہے، مدبر اور حاکم ہے، یعنی تمام کاموں کی تدبیر اسی کے ہاتھ میں ہے تو الگ ایک نئی قسم بنانے کا کیا مقصد؟ پس توحید حاکمیت کو علیحدہ ایک قسم قرار دینا اہلِ علم اس کی تائید نہیں کرتے۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ کلمۃ التوحید '' لا إلٰه إلا اللّٰه '' ہے، جس میں شرک کی نفی اور توحید کا اثبات ہے یہی کلمہ اصلِ توحید ہے جبکہ '' حاکمیت، تو'' لا إلٰه إلا اللّٰه'' کے معنی میں سے صرف ایک جز ہے۔

تیسری گزارش یہ ہے کہ اقسام توحید کی اصل توحید عبادت والوہیت ہے۔

❁ اسی کا ذکر کلمہ طیبہ کے الفاظ میں ہے: '' لا إلٰه إلا اللّٰه''

کلمہ طیبہ کا معنی ہے: ''لَا مَعْبُوْدَ بِحَقٍّ إِلَّا اللّٰه'' اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں۔

قرآن مجید کی آیت کریمہ سے بھی اس ترجمہ کی تائید ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ﴾
[لقمان : ٣٠]

''یہ اس لیے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور یہ کہ اس کے سوا وہ جس کو پکارتے ہیں وہی باطل ہے۔''

❁ توحید عبادت ہی مقصد حیات ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴾ [الذاريات : ٥٦]

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔''

❁ بعثتِ انبیاء کا مقصد بھی توحید عبادت ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ [الأنبياء : ٢٥]

''اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہ وحی کرتے تھے کہ حقیقت یہ ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری عبادت کرو۔''

❁ ہر پیغمبر کی دعوت ''توحید عبادت'' تھی:

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾
[النحل : ٣٦]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔''

❁ قرآن مجید کا اہم عنوان ''توحید عبادت'' ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ﴾ [البقرة : ١٦٣]

''اور تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، بے حد رحم والا،

نہایت مہربان ہے۔''

❁ اللہ تعالیٰ کا حق اپنے بندوں پر توحید عبادت ہے:

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَإِنَّ حَقَّ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا))

[بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب اسم الفرس و الحمار: ٢٨٥٦۔ مسلم: ٣٠]

''بے شک اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔''

❁ دوستی اور دشمنی کی بنیاد بھی توحید عبادت ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ ﴾

[الممتحنة : ٤]

''یقیناً تمھارے لیے ابراہیم اور ان لوگوں میں جو اس کے ساتھ تھے ایک اچھا نمونہ تھا، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک ہم تم سے اور ان تمام چیزوں سے بری ہیں جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، ہم تمھیں نہیں مانتے اور ہمارے درمیان اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض ظاہر ہو گیا، یہاں تک کہ تم اس اکیلے اللہ پر ایمان لاؤ۔''

❁ دعوت کی اساس بھی توحید عبادت ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((إِنَّكَ تَأْتِيْ قَوْمًا مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَادْعُهُمْ إِلٰى شَهَادَةِ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا

اللّٰہُ وَ أَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﴾ [مسلم، کتاب الإیمان، باب بالدعاء إلی الشھادتین و شرائع الاسلام : ۱۹]

''بے شک تو اہلِ کتاب کی ایک قوم کی طرف جا رہا ہے پس ان کو سب سے پہلے دعوت دے کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔''

❁ مقصد جہاد بھی توحید عبادت ہے:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿ بُعِثْتُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ بِالسَّيْفِ حَتّٰى يُعْبَدَ اللّٰہَ تَعَالٰى وَحْدَہُ لَا شَرِيْكَ لَہُ ﴾ [مسند أحمد : ۵۰/۲، ح : ۵۱۱۴]

''مجھے قیامت تک کے لیے تلوار دے کر بھیجا گیا ہے حتیٰ کہ اللہ وحدہ لا شریک لہٗ کی عبادت ہونے لگے۔''

❁ اتفاق و اتحاد کی بنیاد بھی توحید عبادت ہے:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾

[آل عمران : ٦٤]

''کہہ دے اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے درمیان اور تمھارے درمیان برابر ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے۔''

اس تفصیل کے برعکس سب سے پہلے خوارج اس کج روی کا شکار ہوئے کہ انھوں نے کلمہ طیبہ کے ترجمہ میں تحریف کی ''لَا مَعْبُوْدَ بِحَقٍّ إِلَّا اللّٰہِ'' کی بجائے ''لَا حُکْمَ إِلَّا لِلّٰہِ'' کا نعرہ لگایا اور اسی نعرہ کی بنا پر انھوں نے سیدنا علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں کی تکفیر کی۔

یہی نعرہ، توحید حاکمیت کی بنیاد ٹھہرا ہے، اس طرح انھوں نے اسلام کی ترتیب دعوت کو بھی بدلا اور غلبۂ اسلام کا کام ''توحید حاکمیت'' سے شروع کیا۔

ان کے نزدیک '' توحید حاکمیت'' ہی اسلام اور کفر میں حدِ فاصل ہے، دعوت اور جہاد کا مقصد بھی یہی ہے، دوستی اور دشمنی کی بنیاد بھی توحیدِ حاکمیت ہی ہے، جن و انس کا مقصد حیات بھی توحید عبادت کی بجائے توحید حاکمیت ہے، اسی طرح اتحاد کی اساس ''لا إله إلا الله'' کی جگہ ایک جز ''توحید حاکمیت'' کو اصل توحید قرار دیا۔

آج یہی منہجی خرابی اور فہم توحید میں بنیادی غلطی یعنی توحید حاکمیت، یا ''الحاکمیة'' کی اصطلاح موجودہ دور کی بعض جماعتوں کی مخصوص سیاسی دعوت کی بھی بنیاد ہے۔

اور اسی طرح ان کا نظریہ یہ بھی ہے کہ کسی کی مستقل اطاعت گزاری کی جائے تو یہی اس کی عبادت ہے۔ نبی کریم ﷺ کی اطاعت اور اعمالِ صالحہ میں مخلوق میں سے کسی کی اطاعت درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہے اس لیے کہ اس کا حکم اللہ تعالیٰ نے ہی دیا ہے، لہٰذا ایسی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور یہ عبادت کرنے کے مترادف ہے۔

اب انھوں نے دوسرا مسئلہ یہ استخراج کیا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں روائی کے بغیر حکومت کی اطاعت کرنا، یہ اس کی عبادت ہے اور یہ شرک ہے اور یہیں سے انھوں نے ''شرک فی الحاکمیہ'' کا نظریہ وضع کیا۔

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اطاعت اور عبادت ایک ہی چیز ہے یا ان میں کچھ فرق بھی ہے؟ قرآن مجید میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کا مکالمہ مذکور ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کے پاس آئے اور فرمایا: ﴿مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ تم لوگ کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ تو قوم نے جواب دیا: ﴿قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ﴾ [الشعراء: ٧١] ''انھوں نے کہا ہم عظیم بتوں کی عبادت کرتے ہیں، پس انھی کے مجاور بنے رہتے ہیں۔''

غور کیجیے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قوم جن بتوں کی عبادت کر رہی تھی کیا وہ ان کی اطاعت بھی کر رہی تھی؟ بت تو سرے سے بولتے ہی نہ تھے کہ کسی چیز کا حکم دیں یا منع کریں۔

اسی طرح روزِ قیامت اللہ تعالیٰ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھے گا:

﴿ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾

[المائدة : ١١٦]

''کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنا لو؟''

تو جناب عیسیٰ علیہ السلام فوراً نفی فرمائیں گے۔

معلوم ہوا جو عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے، ان کو نفع و نقصان کا مالک سمجھتے تھے، کیا وہ ان کی اطاعت بھی کرتے تھے؟ ہرگز نہیں۔

ان دو قرآنی واقعات سے معلوم ہوا کہ اطاعت اور عبادت میں قدرے فرق ہے۔ ہاں البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ بعض اعمال اطاعت بھی ہوں اور عبادت بھی، جیسے، نماز پڑھنا۔

بہر حال توحید کا صحیح فہم نہ ہونا بھی خارجی نظریات کی پیدائش کا سبب ہے۔ ہم کسی کی حسنِ نیت پر شک نہیں کرتے، لیکن ''توحید حاکمیت'' کی بنا پر اٹھنے والی بہت سی انقلابی تحاریک نے شعوری یا لاشعوری طور پر فاسق، فاجر اور ظالم حکومت کے خلاف خروج و خارجیت کا مواد مہیا کیا ہے۔ معمولی سی غلطی یا اختلاف کی بنا پر فاسق حکومت کے خلاف اعلان جہاد، انقلاب کا نعرہ اور فاسق حکمرانوں کو کافر قرار دے کر عوام الناس کو خروج کے لیے ابھارنا، منہجِ سلف سے بے اعتنائی منہجِ دعوت و جہاد سے ناشناسائی اور غلبۂ اسلام کے نبوی طریقہ کار سے لا علمی کا نتیجہ ہے۔

طاغوت کی تعریف اور حکم

طاغوت لغوی طور پر طغیان سے مشتق ہے اور طغیان حد سے تجاوز کو کہتے ہیں۔
[القاموس الوحید، ص : ۱۰۰۰]

قرآن مجید میں ہے:
﴿ إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ﴾ [الحاقة : ۱۱]
''بلاشبہ ہم نے ہی جب پانی حد سے تجاوز کر گیا، تمھیں کشتی میں سوار کیا۔''
اور اردو محاورہ بھی ہے: پانی میں طغیانی آ گئی۔

اصطلاح میں طاغوت سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی عبادت کی جائے اور وہ اپنی عبادت پر راضی ہو۔ علماء، محدثین و مفسرین کی تصریحات ملاحظہ فرمائیے۔

❁ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہلِ تفسیر کے ہاں لفظ ''الطاغوت'' قرآن حکیم میں تین وجوہ پر استعمال کیا گیا ہے:

① بت: ﴿ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ﴾ [النحل : ۳۶]
② شیطان: دیکھیے [البقرة : ۲۵۶۔ النساء : ۷۶۔ المائدة : ۱۶۰]
③ کعب بن اشرف یہودی: [البقرة : ۲۵۷۔ النساء : ۵۱۔ ۶۰] کی تفسیر۔

[نزهة الأعين النواظر في علم الوجوه والنظائر لإبن الجوزي، ص: ۴۱۰، ۴۱۱، نیز دیکھیں الوجوه والنظائر أز مقاتل بن سليمان البلخي، الوجوه والنظائر أز أبو عبد الله حسين بن محمد الأمغاني، ص : ۳۱۹]

❁ زجاج نے کہا:
"كُلُّ مَا عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ، جِبْتٌ وَ طَاغُوْتٌ"
[تاج العروس:٤٩٦/٧٨]
''ہر وہ جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جائے، وہ بت اور طاغوت ہے۔''

❁ امام ابن قیم رحمہ اللہ کے نزدیک طاغوت ہر وہ چیز ہے جس کی وجہ سے بندہ اپنی حد شرعی سے تجاوز کر جائے، خواہ وہ معبود ہو یا متبوع اور مطاع، پس وہ تمام لوگ طاغوت ہیں جن سے فیصلے کروائے جاتے ہیں اللہ اور رسول کو چھوڑ کر۔ [إعلام الموقعين : ٥٠/١]

❁ طاغوت سے مراد کاہن، شیطان اور ہر گمراہی کی بنیاد ہے۔ یہ لفظ واحد کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے:
﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ﴾ [النسآء: ٦٠]
''چاہتے یہ ہیں کہ آپس کے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جائیں۔''
لفظ ''طاغوت'' کی جمع ''طواغیت'' آتی ہے۔

❁ امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''طاغوت سے مراد شیطان ہے یا بت ہیں، یا ہر وہ چیز ہے جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے، یا ہر وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روکتی ہے۔'' [تفسير بيضاوي : ١/ ٢٨٧]

❁ طاغوت سے مراد شیطان یا بت ہیں۔ [تفسير نسفي : ١٣٠/١]

❁ یہ بات تفسیر جلالین (ص : ٢٦٢) میں بھی ہے۔

❁ امام ابن قیم رحمہ اللہ کے نزدیک طاغوت تو بہت زیادہ ہیں، البتہ ان کے سردار پانچ ہیں:
① "إِبْلِيْسُ لَعَنَهُ اللّٰهُ" ابلیس ملعون۔
② "مَنْ عُبِدَ وَهُوَ رَاضٍ" (اللہ کے سوا) جس کی عبادت کی جائے اور وہ اس پر خوش ہو۔
③ "مَنْ دَعَا النَّاسَ إِلٰى عِبَادَةِ نَفْسِهٖ" جو لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف دعوت دے۔
④ "مَنِ ادَّعٰى شَيْئًا مِّنْ عِلْمِ الْغَيْبِ" جو علم غیب میں سے کسی چیز کا دعویٰ کرے۔

⑤ "مَنْ حَكَمَ بِغَيْرِ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ" جو اللہ کی نازل کردہ کے خلاف فیصلہ (حلال، افضل یا مساوی سمجھ کر) کرے۔ [حاشية الأصول الثلاثة : ١٤٨/١]

امام ابن بطہ رحمہ اللہ نے "حَكَمَ بِغَيْرِ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ" کو کبائر میں شمار کیا ہے، جیسا کہ انھوں نے باب باندھا ہے: " باب ذكر الذنوب إلى قصد بصاحبها إلى كفر غير خارج عن الملة." [الإبانة : ١٦٢/٢] پھر اس کے تحت "من لم يحكم بما أنزل الله" کو لائے ملاحظہ ہو رقم: ۱۰۱۶۔۱۰۱۷۔۱۰۲۳۔

❋ اللہ کے سوا جس کی عبادت کی جائے اور وہ اس پر راضی ہو وہ طاغوت (معبودِ باطل) ہے۔ البتہ جو راضی نہ ہو وہ طاغوت نہیں، مثلاً مشرکین، انبیاء اور صالحین وغیرہ کی عبادت کرتے تھے، لیکن انبیاء و اولیاء اپنی عبادت سے راضی نہ تھے بلکہ منع کرتے تھے اور توحید کی دعوت دیتے تھے اس لیے وہ طاغوت کی تعریف سے خارج ہیں۔

(دیکھیے مجموع فتاویٰ و مقالات ابن باز: ۵۶/۴)

طاغوت اور فاسق میں اصولی اختلاف:

مندرجہ بالا علماء و محدثین کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ کسی کلمہ گو کو طاغوت قرار دینا ثابت نہیں ہے، خوارج کی یہی بنیادی کجی ہے کہ وہ طاغوت کی اصطلاح کلمہ گو حکمران طبقہ پر چسپاں کرتے ہیں۔

مولانا مودودی لکھتے ہیں: طاغوت، لغت کے اعتبار سے ہر اس شخص کو کہا جائے گا جو اپنی جائز حد سے تجاوز کر گیا ہو، قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد وہ بندہ ہے جو بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خود آقائی و خداوندی کا دم بھرے اور خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائے۔ خدا کے مقابلے میں ایک بندے کی سرکشی کے تین مرتبے ہیں: پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اصولاً اس کی فرمانبرداری ہی کو حق مانے مگر عملاً اس کے احکام کی خلاف ورزی کرے اس کا نام فسق ہے۔

دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ اس کی فرمانبرداری سے اصولاً منحرف ہو کر یا تو خود مختار بن

جائے یا اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے یہ کفر ہے۔

تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مالک سے باغی ہو کر اس کے ملک اور اس کی رعیت میں خود اپنا حکم چلانے لگے اس آخری مرتبے پر جو بندہ پہنچ جائے اسی کا نام طاغوت ہے اور کوئی شخص صحیح معنوں میں اللہ کا مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اس طاغوت کا منکر نہ ہو۔''

[تفهيم القرآن تفسير البقرة : ٢٥٦]

طاغوت سے کفر کرنے کا حکم:

① ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ﴾ [البقرة : ٢٥٦]

''پھر جو کوئی باطل معبود کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو یقیناً اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جسے کسی صورت ٹوٹنا نہیں۔''

② اور فرمایا:

﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾

[النحل : ٣٦]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔''

③ اور فرمایا:

﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَ يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا﴾ [النسآء : ٦٠]

''چاہتے یہ ہیں کہ آپس کے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جائیں، حالانکہ انھیں حکم دیا گیا ہے کہ اس کا انکار کریں۔ اور شیطان چاہتا ہے کہ انھیں گمراہ کر دے، بہت دور گمراہ کرنا۔''

نوٹ : مذکورہ بالا طاغوت کی بحث اور علماء کی تصریحات کے بعد طاغوت اور فاسق حکومت کے درمیان فرق بھی بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

فاسق حکمران اور مسئلہ خروج:

ایک شبہ جو حکمرانوں کے خلاف خروج و بغاوت کی راہ ہموار کرتا ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے پر برانگیختہ کرتا ہے وہ یہ ہے کہ حکمران، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے بجائے اپنے وضعی قوانین کو نافذ کیے ہوئے ہیں۔ اسی بات کو بنیاد بناتے ہوئے بعض لوگ حکام کے بارے میں مرتد اور واجب القتل کا حکم لگاتے ہیں اور ان کے خلاف خروج و بغاوت کو واجب قرار دیتے ہیں۔

جہاں تک معاصر حکام کا تعلق ہے تو یہ اپنے انفرادی مسائل مثلاً نکاح اور عبادات، نماز، روزہ وغیرہ میں تو قرآن وسنت سے راہنمائی لیتے ہیں، لیکن جب معاملہ لوگوں کے مابین عدل وحکم کا آتا ہے تو یہاں وہ مخالفت کرتے ہیں۔

اب اس مسئلہ میں قابل غور بات یہ ہے کہ سب سے پہلے ہم دیکھیں کہ آیا یہ قول یا عمل، ارتداد ہے؟ پھر اس کا اطلاق معیّن شخص پر کرنا بھی ملحوظ رکھنا، نیز کیا اس کفریہ قول و عمل کے ساتھ کوئی مانع کفر تو موجود نہیں؟ نیز خروج کی شرائط وضوابط کے باوجود راہ سے ہٹانے کا اختیار اور حکم شریعت نے کس کو دیا ہے، یعنی وہ کون سی ذمہ دار اتھارٹی ہے جو یہ کام سرانجام دے گی؟ اور پھر عملی اعتبار سے کیا فائدہ ہوگا؟

ان ملحوظات کو مدنظر رکھے بغیر کسی بھی عمل یا ردعمل کا فائدہ نہیں ہوگا۔

کفر بواح کے بغیر فاسق حکومت کے خلاف بغاوت کی ممانعت:

❁ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

« دَعَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْنَاهُ، فَقَالَ : فِيمَا أَخَذَ عَلَيْنَا أَنْ بَايَعْنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا، وَ عُسْرِنَا، وَ

يُسْرِنَا وَ أَثَرَةً عَلَيْنَا، وَأَنْ لَّا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ ﴾[بخاري، كتاب الفتن، باب قول النبيﷺ سترون بعدي أمورا تنكرونها : ٧٠٥٥۔ مسلم: ١٧٠٩]

''ہمیں (ایک مرتبہ) نبی کریمﷺ نے بلایا، پس ہم نے آپ کی بیعت کی، آپﷺ نے بیعت لیتے ہوئے ہم سے اقرار لیا کہ ہم سنیں گے، اور اطاعت کریں گے، خوشی اور غمی میں، تنگی اور آسانی میں، ہمارے اوپر کسی کو ترجیح دی جائے تب بھی۔ (اور اس پر بھی اقرار لیا) کہ جس کو حکومت کا حق دیا گیا ان سے حقِ حکومت نہیں چھینیں گے (یعنی خروج و قتال نہیں کریں گے) الا یہ کہ وہ کفرِ بواح (یعنی اعلانیہ کفر) کریں اور اس (معاملہ) میں تمھارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح دلیل ہو۔''

مسند البزار کی ایک روایت میں ''کفر بواح'' کی بجائے ''بِالْكُفْرِ صَرَاحًا (١٤٣/٧) '' کے الفاظ ہیں۔[دیکھیے فتح الباري : ٨/١٣]

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللَّهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ ﴾

ففي هذه الحال ننازعهم لكن انظر للشروط :

الأول : ﴿ أن تروا ﴾ أي أنتم بأنفسكم لا مجرد السماع، لأننا بما ربما نسمع عن ولاة الأمور أشياء فاذا تحققنا لم نجدها صحيحة فلا بد أن نرى نحن بأنفسنا مباشرة سواء كانت هذه الرؤية رؤية علم أو رؤية بصر، المهم أن نعلم۔

الثانى : ﴿ كفرا ﴾ أي لا فسوقا فإننا لو رأينا فيهم أكبر الفسوق فليس لنا أن ننازعهم لأمر۔

الثالث : ﴿ بواحا ﴾ أي صريحا ليس فيه تأويل فإن كان فيه التأويل

ونحن نراه كفرا لكن هم لا يرونه كفرا سواء كانوا لا يرونه باجتهاد منهم أو بتقليد من يرونه مجتهدا فإننا لا ننازعهم ولو كان كفرا ولهذا كان الإمام أحمد يقول : إن من قال القران مخلوق فهو كافر والمامون كان يقول : القران مخلوق و يدعو الناس إليه و يحرض عليه و مع ذالك كان يدعوه بأمير المؤمنين لأنه يرى أن القول بخلق القران بالنسبة له ليس بواحا أي صريحا فلا بد أن يكون هذا الكفر صريحا لا يحتمل التأويل فإن كان يحتمل التأويل فإنه لا يحل لنا أن ننازع الأمر أهله۔

الرابع : « عندكم من الله فيه برهان » أيُ : دليل قاطع بأنه كفر لا مجرد أن نرى أنه كفر ولا مجرد أن يكون الدليل محتملا يكونه كفرا أو غير كفر بل لابد أن يكون الدليل صريحا قاطعا بانه كفر۔

فانظر إلى هذه الشروط الأربعة فاذا تمت الشروط الأربعة حينئذ ننازعه لأنه ليس له عذر ولكن هذه المنازعة لها شروط وهي أن يكون لدينا قدرة و هذه مهمة جدا لا أن ننازع فخرج إليه بالسكاكين وهو عنده الدبابات والقذائف وما أشبه ذلك ولو أننا فعلنا ذلك لكنا سفهاء و إنما ننازعه بعد أن نكون قادرين على منازعته إما أن ننازعه و نحن لا نستطيع فهذا حرام علينا لأنه يضر بنا ويضربغيرنا أيضا ......

القدرة فهذه لا بد منها في كل واجب : ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾[البقرة : ٢٨٦] [شرح صحيح البخاری : ٢٥٩/٤ لابن عثيمين]

یہ کہ تم کفرصریح دیکھو! اور تمھارے پاس اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف

سے کوئی دلیل موجود ہوتو اس حالت میں حکمرانوں سے منازعت کر سکتے ہیں لیکن ان شروط کو دیکھو!

① "أن تروا": اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم بذات خود مشاہدہ کرو محض سماع پر توقف نہ کرو۔ اس لیے کہ ہم حکمرانوں کے بارے میں کچھ باتیں سنتے ہیں پھر جب ان باتوں کی تحقیق کرتے ہیں تو وہ درست ثابت نہیں ہوتیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم بذات خود اس کا مشاہدہ کریں، خواہ یہ رؤیت علمی ہو یا مشاہداتی ہو، بہر کیف ضروری یہ ہے کہ ہمیں یقین ہو جائے۔

② "کفرا": یعنی فسق نہ ہو۔ اس لیے ہم اگر ان میں سب سے بڑا فسق بھی دیکھ لیں تو بھی ہمارے لیے حکومت سے جھگڑا کرنا جائز نہیں ہے۔

③ "بواحا": یعنی ایسا واضح اور صریح کفر جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو اور اگر اس میں تاویل کی گنجائش ہو اور ہم اس کو کفر سمجھ رہے ہوں اور حکمران اس کو کفر نہ سمجھتے ہوں خواہ اپنے اجتہاد کی بنا پر یا کسی مجتہد کی تقلید کی بنا پر۔ پھر بھی ہم ان سے منازعت نہیں کریں گے، اسی لیے امام احمد رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جس شخص نے یہ کہا کہ قرآن مخلوق ہے وہ کافر ہے اور مامون الرشید خلقِ قرآن کا قائل تھا اور لوگوں کو اس کی دعوت دیتا تھا اور ترغیب دلاتا تھا اس کے باوجود امام احمد اس کو امیر المؤمنین کہتے تھے، کیونکہ امام احمد یہ سمجھتے تھے کہ خلق قرآن کا قول مامون کی نسبت سے صریح کفر نہیں ہے۔ (اس کا یہ کفر تاویل یا تقلید کی بنا پر تھا)

یعنی یہ لازم ہے کہ کفر صریح ہو جو تاویل کا احتمال نہ رکھتا ہو۔ اگر تاویل کا احتمال رکھتا ہو تو پھر بھی ہم ان سے منازعت نہیں کریں گے۔ (البتہ اس کے کفریہ عقیدے کی اصلاح ضرور کریں گے۔)

④ عندكم من الله فيه برهان: یعنی تمھارے پاس اس کی دلیل قطعی اور یقینی ہو محض رائے کی بنیاد پر اس کو کفر قرار نہ دیا گیا ہو۔

ان تمام شرائط کو غور سے دیکھو! جب یہ چاروں شرائط موجود ہوں تو اس وقت حکومت سے جھگڑا کیا جا سکتا ہے، اس لیے کہ پھر کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔

لیکن اس منازعت اور جھگڑنے کی بھی کچھ شرائط ہیں اور وہ یہ ہیں کہ ہمارے پاس ان کا مقابلہ کرنے کی قدرت اور طاقت ہو، یہ بہت اہم بات ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم منازعت کے لیے چھریاں لے کر نکلیں اور ان کے پاس ٹینک توپیں ہوں اور اس جیسی بارود پھینکنے والی دیگر اشیاء ہوں، اگر ہم ایسا کریں گے تو بیوقوف شمار ہوں گے، ہم صرف منازعت پر قدرت کی صورت میں نکلیں گے، اگر طاقت نہ ہو تو منازعت کرنا حرام ہے، اس لیے کہ ہمارے لیے بھی اور دوسرے بھائیوں کے لیے بھی مضر ہے۔''

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ حدیث کے الفاظ "عِنۡدَکُمۡ مِنَ اللّٰہِ فِیۡہِ بُرۡھَانٌ" کی شرح میں لکھتے ہیں: " و مقتضاه أنه لا يجوز الخروج عليهم ما دام فعلهم يحتمل التأويل" کہ اس فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا ہے کہ (حکمرانوں) کے خلاف خروج جائز نہیں، جب تک ان کے فعل وعمل میں تاویل کی گنجائش ہے۔[فتح الباري : ۱۳/ ۱۱]

نیز ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" قال ابن بطال في الحديث حجة في ترك الخروج على السلطان ولو جار" [فتح الباري : ۱۳/ ۷]

''ابن بطال فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ ظالم حکمران کے خلاف خروج نہ کیا جائے۔''

''اس حدیث سے جمہور علماء نے استدلال کیا ہے کہ ظالم اور فاسق حکمران کے خلاف خروج جائز نہیں، اِلا یہ کہ اس سے کفر صریح ظاہر ہو۔''

❁ سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خِیَارُ اَئِمَّتِکُمُ الَّذِیۡنَ تُحِبُّوۡنَھُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَکُمۡ، وَ یُصَلُّوۡنَ عَلَیۡکُمۡ وَ تُصَلُّوۡنَ عَلَیۡھِمۡ، وَ شِرَارُ اَئِمَّتِکُمُ الَّذِیۡنَ تُبۡغِضُوۡنَھُمۡ وَ یُبۡغِضُوۡنَکُمۡ، وَ

تَلْعَنُوْنَهُمْ وَ يَلْعَنُوْنَكُمْ قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ؟ فَقَالَ : لَا، مَا أَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلَاةَ، وَ إِذَا رَأَيْتُمْ مِنْ وُلَاتِكُمْ شَيْئًا تَكْرَهُوْنَهُ، فَاكْرَهُوْا عَمَلَهُ، وَلَا تَنْزِعُوْا يَدًا مِّنْ طَاعَةٍ » [مسلم، كتاب الإمارة،باب خيار ائمة و شرار هم : ۱۸۵۵]

''تمھارے بہتر حکمران وہ ہیں، جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں اور وہ تمھارے لیے دعا کریں اور تم ان کے لیے (خیر کی) دعا کرو اور تمھارے بدترین حکمران وہ ہیں، جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں، تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔'' صحابہ کرام نے کہا، کیا ہم تلوار کے ساتھ ان کو ہٹا دیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں، جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں، اور جب تم اپنے حکام کی برائی دیکھو، تو ان کے عملِ قبیح کو برا جانو، مگر نظم و پابندی (اطاعت) سے ہاتھ نہ کھینچو۔''

❁ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« إِنَّهُ سَيَكُوْنُ عَلَيْكُمْ أَئِمَّةٌ تَعْرِفُوْنَ وَتُنْكِرُوْنَ، فَمَنْ أَنْكَرَ فَقَدْ بَرِئَ وَ مَنْ كَرِهَ فَقَدْ سَلِمَ، وَلٰكِنْ مَنْ رَضِيَ وَ تَابَعَ فَقِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَفَلَا نُقَاتِلُهُمْ؟ قَالَ: لَا مَا صَلَّوْا » [ترمذي، كتاب الفتن، باب متى يكون ظهر...... : ۲۲٦٥ مسلم : ۱۸۵٤۔ أبوداوٗد : ٤٧٦٠]

''عنقریب تم پر ایسے حکمران مسلط ہوں گے جن سے تم نیکی بھی سرزد ہوتے دیکھو گے اور برائی بھی، پس جس نے (ان کی برائی کو) برائی کہا وہ بری الذمہ ہو گیا اور جس نے (دل سے) برا سمجھا، وہ بھی سلامتی پا گیا، لیکن جو ان پر (دل سے) راضی ہوا اور ان کی اتباع کی (برائی میں) وہ ہلاک ہو گیا۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ فرمایا: نہیں، جب تک وہ نماز پڑھیں۔''

درج بالا تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فاسق و ظالم حکومت کے خلاف مسلح خروج یا

بغاوت شرعی طریقہ نہیں، تا آنکہ وہ کفرِ صریح کا اظہار کریں یا اقامتِ صلاۃ سے حکماً منع کریں یا اللہ اور رسول کی نافرمانی پر اکسائیں یا حلال کو حرام اور حرام کو حلال کریں۔

❁ ہشام بن حسان کہتے ہیں:

" أحصوا ما قتل الحجاج صبرا فبلغ مائة ألف و عشرين ألف قتيل "
[ترمذي : ٢٢٢٠]

''حجاج نے تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار افراد کو باندھ کر قتل کیا،'' (اس کے باوجود صحابہ کرام ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے، کیونکہ حکمرانوں کے خلاف خروج بے گناہ مسلمانوں کا خون بہانے کی راہ دکھاتا ہے۔)

حجاج کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے انھوں نے اس کی تکفیر نہیں کی بلکہ صبر وتحمل کا دامن تھامے رکھا۔

محمد بن ہارون اور محمد بن جعفر بیان کرتے ہیں کہ ان سے ابو الحارث احمد بن محمد الصائغ نے بیان کیا:

" سألت أبا عبداللّٰه في أمر كان حدث ببغداد وهم قوم بالخروج فقلت يا أبا عبداللّٰه ما تقول في الخروج مع هؤلاء القوم فأنكر ذلك عليهم وجعل يقول سبحان اللّٰه الدماء الدماء لا أرى ذلك ولا آمر به الصبر على ما نحن فيه خير من الفتنة تسفك فيها الدماء وتستباح فيها الأموال وتنتهك فيها المحارم أما علمت ما كان الناس فيه يعنى أيام الفتنة قلت: والناس اليوم، أليس هم في فتنة يا أبا عبد اللّٰه قال وإن كان فإنما هي فتنة خاصة فإذا وقع السيف عمت الفتنة وانقطعت السبل الصبر على هذا ويسلم لك دينك خير لك ورأيته ينكر الخروج على الأئمة وقال الدماء لا أرى ذالك ولا آمر به" [السنة للخلال، باب الإنكار على من خرج على السلطان : (٥٩)،

١٠٤/١ الناشر الفاروق الحديثية للطباعة والنشر]

’’میں نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اس واقعہ کے بارے میں سوال کیا جو بغداد میں وقوع پذیر ہوا اور ایک قوم نے خروج کا ارادہ کر لیا ہے، میں نے کہا اے ابو عبداللہ! اس قوم کے ساتھ مل کر خروج کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس بات کا انکار کیا اور کہنے لگے سبحان اللہ! خون ریزی سے بچو، خون ریزی سے بچو نہ میں اس کو جائز سمجھتا ہوں اور نہ میں اس کا حکم دیتا ہوں۔ جس صورت حال پر ہم ہیں اس پر صبر کرنا اس فتنے سے بہت بہتر ہے جس میں خون بہایا جائے، دوسروں کے اموال کو مباح سمجھا جائے اور محارم کی بے حرمتی کی جائے۔ کیا تو نہیں جانتا خون بہانے میں لوگ جس صورت حال سے دو چار تھے؟ میں نے کہا اے ابو عبداللہ! کیا آج لوگ فتنے میں مبتلا نہیں ہیں؟ تو امام احمد رحمہ اللہ نے کہا اگرچہ فتنہ موجود ہے لیکن یہ تو صرف ایک خاص قسم کا فتنہ ہے، سو جب تلوار چل پڑے (یعنی لڑائی شروع ہو جائے) فتنہ عام ہو جائے اور راستے منقطع ہو جائیں تو اس پر صبر کرنا اور تیرا اپنے دین کی حفاظت کرنا تیرے حق میں بہتر ہے اور میں (ابو الحارث محمد بن احمد) نے انھیں دیکھا کہ وہ (امام احمد بن حنبل) حکمرانوں کے خلاف خروج کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے خون ریزی سے بچو، نہ میں اس کو جائز سمجھتا ہوں اور نہ میں اس کا حکم دیتا ہوں۔‘‘

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا طرزِ عمل:

خلیفہ مامون، معتصم اور واثق، خلق قرآن کے بدعتی عقیدے کی دعوت دیتے تھے، اس بنا پر مخالفت کرنے والے علماء کو قید اور قتل کی سزائیں بھی دی گئیں۔ علماء نے اس ظلم و جبر کے باوجود خروج و بغاوت کا فتویٰ نہیں دیا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو مختلف طریقوں سے خلقِ قرآن کے عقیدے پر مجبور کیا گیا، انھوں نے نہ خلق قرآن کا عقیدہ اپنایا اور نہ ہی خروج کا فتویٰ دیا، بلکہ لوگوں کو اس سے منع کرتے رہے۔

① امام احمد مصائب و آلام جھیلنے کے ساتھ ساتھ ان ظالم حکمرانوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا کرتے اور ان کے لیے استغفار کرتے تھے۔

[مجموع الفتاوی ابن تیمیة : ٢٣/ ٣٤٨-٣٤٩]

امام مالک رحمہ اللہ کا طرزِ عمل:

طلاق مُکرہ (زبردستی اور جبری طلاق) کے مسئلہ پر امام مالک رحمہ اللہ کو مجبور کیا گیا، حتیٰ کہ کوڑے مارے گئے، یہاں تک کہ ان کا بازو توڑ دیا گیا، امام مالک رحمہ اللہ نے اس سارے ظلم و جبر کو برداشت تو کیا لیکن خروج و بغاوت کا فتویٰ نہیں دیا۔ [سیر أعلام النبلاء : ٨/ ٨٠]

ظالم و فاسق حکومت کے خلاف منہج...... دعوت یا مسلح بغاوت؟:

اسلام کی تعلیمات میں جہاں ظالم و فاسق حکومت کے خلاف مسلح خروج و بغاوت کی ممانعت ہے، وہاں ایسی حکومتوں کو راہ راست پہ لانے کے لیے دعوت کے پُر امن طریقے بھی موجود ہیں، جنھیں استعمال میں لانا چاہیے، مثلاً:

① کلمۂ حق بلند کرنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« إِنَّ أَفْضَلَ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ » [مسند أحمد : ٣/ ١٩ ح : ١١١٤٣۔ ابوداؤد میں أَوْ أَمِيرٍ جَائِرٍ کے الفاظ بھی ہیں : ٤٣٤٤]

''بے شک فاسق و ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنا سب سے افضل جہاد ہے۔''[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب حکمران ظالم و فاسق ہو جائیں تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تحت فریضۂ دین ادا کرتے رہنا چاہیے، ان کو حق بات کی نصیحت کا عمل جاری رکھنا چاہیے، لہٰذا حکمرانوں کو کھلی چھٹی دینے کی بجائے اعلائے کلمۂ حق کے لیے دعوت کی ذمہ داری ادا کریں۔ اس سے قطعاً منع نہیں کیا گیا بلکہ ایسا نہ کرنے والے کو مجرم قرار دیا گیا ہے۔

---

[1] یہ کلمۂ حق حکمران کے پاس (سامنے) کہنا چاہیے، یا پھر کسی معتبر ذرائع سے یہ بات اسے ناصحانہ انداز میں پہنچا دی جائے۔ برسرِ عام لوگوں کو مسلمان حکمرانوں کے خلاف بھڑکانا، درست طرزِ عمل نہیں۔

لیکن غیر شرعی اور غیر قانونی طریقے اختیار کرنا، مثلاً مسلح خروج، بغاوت، قتل و غارت اور دہشت گردی سے مملکت اسلامیہ کو تباہ کرنے کی کوشش امتِ مسلمہ میں خون ریزی اور فتنہ انگیزی، ہر اعتبار سے قابل مذمت ہے۔

ابوجعفر الطحاوی لکھتے ہیں:

”و لا نرى السيف على أحد من أمة محمد إلا من وجب عليه السيف و لا نرى الخروج على أئمتنا وولاة أمورنا و إن جاروا ولا ندعو عليهم ولا ننزع يدا من طاعتهم“

[العقيدة الطحاوية : ٧١، ٧٢]

”اور ہم امت محمد میں سے کسی پر تلوار اٹھانے کو جائز نہیں سمجھتے مگر جس پر تلوار اٹھانا واجب ہو اور نہ ہی ہم اپنے ائمہ اور حکومت کے خلاف مسلح خروج جائز سمجھتے ہیں خواہ وہ ظالم و خطا کار ہی ہوں اور نہ ان کے لیے بد دعا اور ان کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لینا جائز سمجھتے ہیں۔“

❁ امام محمد الحسن بن علی البربہاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

و إذا رأيت الرجل يدعو على السلطان فاعلم أنه صاحب هوى واذا رأيت الرجل يدعو لسلطان بالصلاح فاعلم أنه صاحب السنة إن شاء الله لقول الفضيل بن عياض ” لو كانت لى دعوة مستجابة ما جعلتها إلا في السلطان“ قيل له : يا أبا على! فسر لنا هذا قال ” إذا جعلتها في نفس لم تعدوني و إذ جعلتها في السلطان صلح، فصلح بصلاحه العباد والبلاد “ فأمرنا أن ندعو لهم بالصلاح ولم نؤمر أن ندعو عليهم و إن جاروا و ظلموا لأن ظلمهم و جورهم على أنفسهم و صلاحهم لأنفسهم و للمسلمين »

[شرح السنة مع اتحاف القاري : ٢/١٩١ مكتبةالرشيد]

''جب تو کسی شخص کو دیکھے کہ وہ (مسلمان) حکمران کے خلاف بددعا کرتا ہے تو جان لے کہ وہ خواہشات کی پیروی کرنے والا ہے اور جب تو دیکھے کہ وہ حکمران کے حق میں درستگی کی دعا کرتا ہے تو جان لے کہ وہ صاحب سنت ہے ان شاء اللہ۔ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر میرے لیے کوئی مستجاب دعا ہو میں اس دعا کو حکمران کے حق میں کروں، آپ سے کہا گیا کہ اے ابوعلی! یہ بات ہمیں وضاحت کے ساتھ بتائیں۔ تو انھوں نے کہا کہ جب میں اس (دعا) کو اپنے لیے کروں گا تو یہ میرے سوا کسی کو نہیں ہوگی اور جب میں اس دعا کو حکمرانِ وقت کے لیے کروں گا تو اس میں اس حکمران کی بھی بہتری ہوگی اور اس کے ذریعے دوسرے لوگوں اور شہروں کی بھی بہتری ہوگی۔ پس ہمیں حکم ہے کہ ہم حکمرانوں کے حق میں بہتری کی دعا کریں نہ کہ ان کے لیے بددعا کریں اور اگر وہ حکمران ظلم و جبر سے کام لیں تو یہ ان کا ظلم انھی کے لیے وبال ہے اور ان کی صلاح و بہتری ان کے لیے بھی ہے اور مسلمانوں کے لیے بھی ہے۔''

''شیخ صالح بن فوزان حفظہ اللہ ''صاحب ھوی'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

« هذه نزعة خارجية و نزعة اعتزالية لأن الخوارج والمعتزلة هم الذين يدعون على ولاة أمور المسلمين والواجب العكس أن يدعو لهم بالصلاح والتوفيق لأن صلاحهم صلاح للإسلام و المسلمين لأن صلاح الوالى صلاح الرعية فهذا منهج السلف : الدعاء لولاة الأمور بالصلاح » [اتحاف القاري بالتعليقات على شرح السنة: ۱۹۱/۲ مكتبة الرشيد]

''خوارج اور معتزلہ کا رجحان اور میلان ہے کہ وہ (مسلمان) حکمرانوں پر بددعا کرتے ہیں جبکہ حکمرانوں کے لیے بہتری اور توفیق کی دعا کرنے میں ان کی صلاح و بہتری اور اسلام اور مسلمانوں کی بہتری ہے۔ پس جب آپ ان کے لیے

دعا کریں گے تو یہ تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرنا ہے، کیونکہ حکمرانوں کی بہتری عوام کی بہتری ہے، پس یہ منہج سلف ہے کہ حکمرانوں کے لیے بہتری کی دعا کی جائے۔''

۲ عملِ دعوت کو منظّم و مربوط کرنا:

''امر بالمعروف و نہی عن المنکر'' کے لیے امت کو عموماً اور علماء کو خصوصاً، منظّم و مربوط کوششیں جاری رکھنی چاہییں:

''امر بالمعروف و نہی عن المنکر'' بہترین امت کی پہلی اور سب سے بڑی علامت ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ [آل عمران: ۱۱۰]

''تم سب سے بہتر امت چلے آئے ہو، جو لوگوں کے لیے نکالی گئی، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

اس فریضے کے لیے اجتماعی جدو جہد کرنا:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [آل عمران: ۱۰۴]

''اور لازم ہے کہ تمھاری صورت میں ایک ایسی جماعت ہو جو نیکی کی طرف دعوت دیں اور اچھے کام کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

یہ بات بالکل عیاں ہے کہ ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کا فریضہ باقاعدہ جماعت کی صورت میں زیادہ موثر، وسیع اور نتیجہ خیز ہوتا ہے، اسی لیے نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون اور بدی کے کاموں میں عدمِ تعاون کا حکم ہے۔

❁ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾
[المائدة : ٢]

''اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔''

حقیقت یہ ہے کہ اجتماعی سطح پر فروغ پانے والی خرابیوں کا ازالہ انفرادی کوششوں سے ممکن نہیں ہوتا، اس کے لیے اصلاح کی کوششیں بھی اجتماعی ہونی چاہییں۔ یہاں سے ہی امت مسلمہ کی تنظیم سازی اور جماعت سازی کا عمل شرعی جواز پاتا ہے۔

سیدنا عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يُعَذِّبُ الْعَامَّةَ بِعَمَلِ الْخَاصَّةِ، حَتّٰى يَرَوُا الْمُنْكَرَ بَيْنَ ظَهْرَانِيهِمْ وَهُمْ قَادِرُوْنَ عَلَى أَنْ يُّنْكِرُوْهُ فَلَا يُنْكِرُوْهُ فَإِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَذَّبَ اللّٰهُ الْخَاصَّةَ وَالْعَامَّةَ » [مسند أحمد : ١٩٢/٤، ح : ١٧٧٢٠۔ موطأ إمام مالك : ١٧٩٩]

''بے شک اللہ تعالیٰ عوام کو خواص کے برے اعمال کے سبب عذاب نہیں دیتا، یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان برائی دیکھیں اور اس کو روکنے کی قدرت کے باوجود نہ روکیں، پس جب وہ ایسا کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ ہر خاص و عام کو عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُسَلِّطَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ شِرَارَكُمْ ثُمَّ يَدْعُوْ خِيَارُكُمْ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ » [المعجم الأوسط للطبراني : ٩٩/٢، ابن أبي شيبة : ٤٦٠/٧، مسند البزار : ٣٣٠٧، ص : ١٨٨ قال الهيثمي : رواه الطبراني في الأوسط : ١٤٠١ والبزار و فيه حبان بن علي و هو متروك۔ مجمع الزوائد : ٥٢٦/٧ (١٢١٣٤)]

''تم ضرور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا ورنہ تم پر اللہ بدترین لوگ مسلط کر

دے گا، پھر تمھارے بہترین لوگ دعا کریں گے پس وہ قبول نہ کی جائیں گی۔''

الحاصل: یہ فریضہ ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' جہاں انفرادی فتنوں کا کفارہ ہے، وہاں ظالم، فاسق حکمرانوں کے مسلط ہونے کا سدِباب بھی ہے۔

فاسق حکومت کے خلاف ''خروج وقتال'' کے دلائل کا شرعی جائزہ:

① پہلی دلیل، آیتِ تحکیم:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾

[المائدة : ٤٤]

''جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔''

اس آیت سے ظاہراً یہی معنی نکلتا ہے کہ جس نے بھی فیصلہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق نہ کیا وہ کافر ہے، لیکن اس آیت کا ظاہری معنی مراد لینا مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر درست نہیں ہے:

① اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماع ہے کہ اس آیت سے ظاہری معنی مراد نہیں، صرف خوارج و معتزلہ نے اس سے ظاہری معنی مراد لے کر کفرِ اکبر کا استدلال کیا ہے جو کہ درست نہیں۔

② اس آیت سے ظاہری معنی مراد لیا جائے تو ہر کوئی کفر کے زمرے میں آجاتا ہے، خواہ اس نے گناہ صغیرہ کیا ہو یا کبیرہ، کیونکہ ہر گناہ کا مرتکب ''مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ'' کے مطابق کام نہیں کرتا تو کافر ٹھہرتا ہے۔

③ اس آیت کے ظاہری معنی سے کفرِ اکبر مراد لینا درست نہیں، جیسا کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے اس آیت سے '' کفر دون کفر ''یعنی کفر اصغر مراد لیا ہے۔

④ یہ سورت مائدہ کی آیت (۴۴) ہے۔ اس سے اگلی آیات نمبر (۴۵، ۴۷) میں ''فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ'' اور ''فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ'' کے الفاظ ہیں۔

پہلی آیت: جو ''مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ'' کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ کافر ہے، دوسری آیت میں

فاسق کا لفظ ہے، تیسری آیت میں ظالم کا لفظ ہے۔ اب اگر پہلی آیت میں کفرِ اکبر مراد ہے تو دوسری اور تیسری آیت میں کفرِ اصغر ہے، اس قوی اختلاف کا کیا حل ہے؟

⑤ لفظ " الکفر " ہمیشہ صرف ایک ہی معنی یعنی دین سے خروج و ارتداد پر ہی دلالت نہیں کرتا بلکہ اس کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسے باقی دو لفظوں کا ہے، جو باقی دو آیات میں بیان ہوئے۔ "**الْفٰسِقُوْنَ**" "**الظّٰلِمُوْنَ**" جس طرح ہر ظالم اور فاسق شخص لازمی نہیں کہ وہ دین سے خارج ہو، اسی طرح اگر لفظ " الکفر "کسی کے بارے میں بولا جائے تو لازمی نہیں کہ وہ بھی دین سے خارج و مرتد ہو گیا ہو، اس لفظ سے مراد کبھی کفرِ اکبر اور کبھی کفرِ اصغر ہوتا ہے، اسی لیے علماء نے "کفر دون کفر" کی اصطلاح ذکر کی ہے۔

سیدنا بکیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" أنه سأل نافعًا كيف رأى ابن عمر في الحرورية؟ قال يراهم شرار خلق اللّٰه إنهم انطلقوا إلى آيات أنزلت في الكفار فجعلوها على المؤمنين فسر سعيد بن جبير من ذلك فقال: مما يتبع الحرورية من المتشابه قول اللّٰه تعالى : ﴿وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ و يقرنون معها : ﴿ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾ إذا رأوا الإمام يحكم بغير الحق قالوا قد كفر و من كفر عدل بربه فقد أشرك، فهذه الأمة مشركون، فيخرجون فيقتلون. ما رأيت لأ نهم يتأولون هذه الآية " [الاعتصام للشاطبي : ١٨٢/٤-٦٩٢/٢ بتحقيق شيخ سليم بن عيد الهلالى]

''انھوں نے نافع سے سوال کیا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما حروریہ (یعنی خوارج) کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: ''ابن عمر رضی اللہ عنہما انھیں بد ترین مخلوق گردانتے تھے، کیونکہ انھوں نے ان آیات کو جو کفار کے متعلق نازل ہوئی تھیں، مؤمنین پر چسپاں کر دیا''۔ سیدنا سعید بن جبیر نے اس کی وضاحت کی اور فرمایا: ان آیات

متشابہات میں سے جن کی پیروی کا دعویٰ حروریہ یعنی خوارج کرتے ہیں، ایک آیت یہ بھی ہے: ﴿وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور اس کے ساتھ یہ آیت بھی ملاتے ہیں: ﴿ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾ انھوں نے دیکھا کہ حاکمِ وقت حق کے مطابق حکومت نہیں کر رہا تو انھوں نے کہا: اس نے کفر کیا ہے اور جس نے کفر کیا ہے اس نے اپنے رب سے منہ موڑا اور شرک کیا۔ (اس طرح ان کے نزدیک) پوری امت مشرک قرار پائی۔ پھر انھوں نے مسلح خروج کیا اور انھیں قتل کرتے پھرتے ہیں، کیونکہ وہ اس آیت کی من مانی تاویل کرتے ہیں۔''

❁ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« هِيَ فِيْ الْكُفَّارِ كُلِّهَا » [أبو داؤد، كتاب الحدود، باب في رجم اليهوديين : ٤٤٤٨، مسلم : ٢٨۔ السلسله الصحيحه : ٢٧٠٤]

''یہ تمام آیات کفار کے بارے میں ہیں۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ یہود کے دو گروہوں کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ [مسند أحمد: ١/٢٤٦، ح : ٢٢١٢۔ أبو داؤد : ٣٥٧٦]

⑥ ہر مسلمان ''ما انزل اللہ'' کا پابند ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ﴾ [الأعراف : ٣]

''اس کے پیچھے چلو جو تمھاری طرف تمھارے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور اس کے سوا اور دوستوں کے پیچھے مت چلو۔''

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ فیصلوں کے مطابق گزارے، وہ حاکم ہو یا محکوم، مرد ہو یا عورت، جو بھی "ما انزل الله" فیصلہ و احکامات کی خلاف ورزی کرے ان سب کی تردید کرنی چاہیے، صرف ایک گروہ (حکمران)

پر اس مسئلے کو چسپاں کرنااور دعوت و اصلاح کے منہجِ نبوی سے ہٹ کرخروج و بغاوت کی راہیں ہموار کرنا،کسی طرح بھی اسلام،مسلمان اورمملکت اسلامیہ کے لیے مفیدنہیں ہے۔

قرآن مجید کی آیت مبارکہ:

﴿وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾

[المائدة : ٤٤]

''جواس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جواللہ نے نازل کیا ہےتو وہی لوگ کافر ہیں۔''

یہ آیت یہود و کفار کے متعلق نازل ہوئی ہے،اس آیت میں لفظ "مَنْ" عموم کے لیے ہےتو پھراس سے مرادصرف حاکم وحکمران کیسے ہوئے ؟ پھرتو ہرکوئی ''ما انزل اللہ'' کا پابند ہوگا،تو ہم نے کبھی سوچا ہے کہ ہرانسان بذاتہ اپنےنفس پر حاکم وراعی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ))

[بخاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرىٰ و المدن : ٨٩٣]

''تم میں سے ہرایک نگران ہے اورتم میں سے ہرایک کو اس کے ماتحتوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔''

کیا میں اپنےنفس پر "ما انزل اللّٰہ" کےمطابق فیصلہ نافذ کرتا ہوں پھراپنے اہل خانہ اور ماتحتوں پربھی "ما انزل اللّٰہ" کاحکم نافذ ہے؟

اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ [البقرة : ٢٠٨]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔''

اگرچہ حکمران جن کواللہ تعالیٰ نے زمامِ اقتدار دی ہے،ان پر ذمہ داری زیادہ عائد ہوتی ہے، کیوں کہ ان کا دائرہ اقتدار زیادہ وسیع ہے، وہ اس آیت کے اول مصداق ہیں، ان کی ذمہ داری ہے کہ ''ما انزل اللہ'' کا نفاذ کریں اور اگر وہ اپنے فرضِ منصبی میں کوتاہی کریں اور ذمہ داریوں کوادا نہ کریں تو ہمارا فرض ہے کہ دعوت و اصلاح اورکلمۂ حق، جو افضل جہاد ہے

اس کے ذریعے ہم ان کو ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ رکھیں، یہی ہماری ذمہ داری ہے۔ خروج و بغاوت سے مملکت اسلامیہ خداداد کا نقصان اور ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھیرنا، کسی طرح بھی دانش مندی نہیں اور نہ ہی یہ ہماری ذمہ داری میں شامل ہے۔اس طرح کے طرزِ عمل سے ہمیشہ دشمنانِ اسلام کے لیے راہیں ہموار ہوتی ہیں۔

ذرا سوچیے! موجودہ حکمران جو اگرچہ بے عملی اور غفلت کے بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں مگر ''ما انزل اللہ'' کا اعتراف و اقرار کرنے والے ہیں،ان کے خلاف (دعوت کا راستہ چھوڑ کر) خروج و بغاوت کی راہ پر چلنا اور کفار جو ازلی دشمن ہیں اور ''ما انزل اللہ'' کے منکر ہی نہیں بلکہ اس کے خلاف برسرِ پیکار ہیں،قرآن مجید کی بے حرمتی کرتے ہیں،پیغمبر ذیشان کے خاکے بناتے ہیں، ان کی حمایت کرنا کہاں کا اسلام ہے؟

ہماری گزارشات کا مطلب حکمرانوں کی حمایت نہیں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ بلاد اسلامیہ میں انقلاب کا نبوی منہج دعوت ہے،خروج و بغاوت نہیں۔

② دوسری دلیل:

فرمان الٰہی ہے:

﴿اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾

[المائدة : ٥٠]

''پھر کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے، ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں اس شخص کے کفر کی دلیل ہے جو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے اپنے فیصلہ کو بہتر اور افضل جانے،لیکن اگر کوئی شخص بدعملی سے یا مفاد وغرض کی بنا پر ''ما انزل اللہ'' کے خلاف فیصلہ کرتا ہے اور اپنے فیصلے کو اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے برابر یا بہتر نہیں سمجھتا اور نہ ہی جائز سمجھتا ہے تو ایسا شخص کفر اکبر کا مرتکب نہیں، البتہ کفر اصغر کا مرتکب ضرور ہے۔

③ تیسری دلیل:

قرآنِ مجید کی یہ آیت بھی بطور دلیل پیش کی جاتی ہے:

اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَ يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا﴾ [النسآء : ٦٠]

''کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو گمان کرتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لے آئے ہیں جو تیری طرف نازل کیا گیا اور جو تجھ سے پہلے نازل کیا گیا۔ چاہتے یہ ہیں کہ آپس کے فیصلے غیراللہ کی طرف لے جائیں، حالانکہ انھیں حکم دیا گیا ہے کہ اس کا انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ انھیں گمراہ کر دے، بہت دور گمراہ کرنا۔''

① اس آیت سے مراد منافقین ہیں۔

② اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص طاغوت کے فیصلے پر خوشی اور رضا و رغبت کا اظہار کرے وہ کافر ہے، کیونکہ رضا بالکفر بھی کفر ہے۔

④ چوتھی دلیل:

ارشاد ربانی ہے:

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ [النسآء : ٦٥]

''پس نہیں! تیرے رب کی قسم ہے! وہ مومن نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ تجھے اس میں فیصلہ کرنے والا مان لیں جو ان کے درمیان جھگڑا پڑ جائے، پھر اپنے دلوں میں اس سے کوئی تنگی محسوس نہ کریں جو تو فیصلہ کرے اور تسلیم کر لیں، پوری طرح تسلیم کرنا۔''

① اس آیت کریمہ سے بھی کفرِ اکبر مراد نہیں بلکہ ایمان کامل کی نفی ہے، یعنی وہ کامل ایمان دار نہیں ہو سکتا۔

② اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بدری صحابی کا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے جھگڑا

ہوا، نبی کریم ﷺ نے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ دیا تو انصاری صحابی نے کہا : اے اللہ کے رسول! آپ نے اپنی پھوپھی کے بیٹے کے حق میں فیصلہ دیا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [بخاري : ٢٣٦٢]

اگر اس آیت سے کفرِ اکبر مراد ہے تو اس مذکورہ بالاصحابی کے متعلق کیا فتویٰ ہے جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

⑤ پانچویں دلیل، تاتاریوں کے کفر پر اجماع :

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تاتاریوں کے قوانین کی کتاب ''الیاسق'' پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کے کفر پر اجماع نقل کیا۔ (دیکھیے البدایہ والنہایہ : ۱۲۸/۱۳) تکفیری اس فتویٰ کفر کو آج (مسلمان) حکمرانوں کے خلاف بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب تاتاریوں نے من گھڑت قوانین کا نفاذ کیا وہ کافر ٹھہرے تو آج کے حکمران کس طرح مسلمان ہو سکتے ہیں؟ یہ بھی ایسے قوانین وضع اور لاگو کرتے ہیں جن کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔

الجواب :

تاتاری کافر ہیں کہ وہ اپنے وضع کردہ قوانین کو حلال سمجھتے تھے، افضل جانتے تھے اور شرعی قوانین سے بہتر مانتے تھے، ان میں کفرِ اکبر کی صورتیں موجود تھیں۔

اس کی دلیل خود امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے۔

''الیاسق'' ایک کتاب ہے جو احکام کا مجموعہ ہے، جو اس نے مختلف شرائع سے لیا ہے یہودیت، نصرانیت اور اسلام سے اور اس میں اکثر احکام چنگیز خاں نے صرف اپنی ہوائے نفس پر رکھے ہیں جو اس کے بعد آنے والوں کے لیے قابل اتباع شریعت بن گئی جسے وہ اللہ کی کتاب اور نبی کریم ﷺ کی سنت کے فیصلوں سے مقدم کرتے تھے، جس نے ایسا کیا وہ کافر ہے اس کے خلاف جنگ واجب ہے، جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی طرف واپس نہ آ جائیں۔ (تفسیر ابن کثیر المائدہ: ۵۰)

❋ علاوہ ازیں تاتاریوں کے دیگر کفریہ عقائد بھی ملاحظہ کیجیے:

① اور وہ تاتاری چنگیز اور محمد ﷺ کو برابر سمجھتے تھے۔ (نعوذ باللہ)

② ان کی عسکری قوم میں مؤذن و امام نہ تھا۔

③ اور طاقت کے باوجود حج نہیں کرتے تھے۔

④ وہ چنگیز خاں کی بادشاہت پر لڑتے تھے، جو ان کی اطاعت میں داخل ہوتا اسے اپنا دلی دوست بناتے تھے اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو اور اسلام پر نہیں لڑتے تھے اور نہ ہی جزیہ وصول کرتے تھے۔

⑤ ان تاتاریوں کا عقیدہ تھا کہ چنگیز خان اللہ کا بیٹا ہے اور سورج نے اس کی ماں کو حاملہ کیا ہے۔ (نعوذ باللہ)

⑥ اس کی ماں نے زنا کیا تھا اور اسے چھپانے کے لیے اس نے سورج والی کہانی گھڑی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زنا کی اولاد تھا، اور وہ اسے اللہ کی طرف سے عظیم ترین رسول سمجھتے تھے۔ [تفصیل کے لیے دیکھیے مجموع فتاویٰ لابن تیمیہ رحمہ اللہ: ۵۲۰/۲۸۔ ۵۲۶]

کیا موجودہ مسلمان حکمرانوں میں سے کوئی ایسا ہے جسے لوگ محمد ﷺ کے مساوی مانتے ہوں، یا عسکری قوت میں نماز اذان اور امامت کا مسئلہ نہ ہو، جبکہ ہماری فوج کے باقاعدہ تمام یونٹوں میں مساجد، مؤذن اور امام موجود ہیں، اسی طرح فریضۂ حج بھی ادا کرتے ہیں اور ان کا مقصود بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے اور نہ ہی یہ حکمرانِ وقت کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں اور نہ ہی اسے اللہ کا رسول مانتے ہیں۔ کیا قانون الیاسق کا انطباق اس پر صحیح ہے؟ فافهم إن كنت تعقل

کتاب وسنت پر اپنے وضعی قوانین کو مقدم کرنا ہی تفضیل ہے، جس کا ذکر کفر اکبر کی شقوں میں کیا گیا ہے، لہٰذا ایسا کرنے والا یقیناً کفر اکبر کا مرتکب اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

مگر موجودہ حکمران اپنے وضعی قوانین کو کتاب وسنت پر مقدم کرتے ہیں؟ یا تفضیل کا عقیدہ رکھتے ہیں؟ اس کی کوئی ٹھوس دلیل موجود نہیں، جب تک صراحتاً کفر نہ ہو فتویٰ کفر لگانا جائز نہیں۔

⑥ چھٹی دلیل، واقعہ کربلا سے استدلال:

بعض حضرات سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے بھی فاسق حکومت کے خلاف خروج و بغاوت کا استدلال کرتے ہیں جو کہ من وجوہِ باطل ہے:

① سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے حکومتِ وقت کے خلاف خروج نہیں کیا تھا ورنہ وہ ضرور مسلح ہو کر نکلتے، پھر خواتین و بچگان کو ساتھ لے کر روانہ نہ ہوتے۔

② وہ تو محض اپنے نام نہاد محبین کی خواہش پر مکہ سے ہجرت کر کے کوفہ جانا چاہتے تھے، جس پر انھیں کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منع کیا، کیونکہ کوفی کبھی خیرخواہ نہیں ہو سکتے تھے۔

③ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے میدانِ کربلا میں جو تین شرائط محاربین کے سامنے رکھیں وہ ہر شیعہ و سنی کتب میں موجود ہیں:

ا۔ مجھے واپس جانے دو۔

۲۔ محاذ جنگ پر جانے دو۔

۳۔ مجھے یزید کے پاس جانے دو تا کہ میں اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دوں۔

[كتاب الجمل من أنساب الأشرف للبلاذري : ٣/١٣٤٩۔تاريخ طبري : ٥/٤١٣۔ الإصابة في تمييز الصحابة۔ تهذيب التهذيب۔ صحيح تاريخ طبري : ٤/٦٧]

ان تین شرائط کی روشنی میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا موقف بالکل واضح ہے کہ وہ صلح جو تھے، وہ پلٹنا چاہتے تھے لڑنا نہیں چاہتے تھے، انھیں جنگ میں دھکیلا گیا اور مظلومیت سے شہید کیا گیا۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کلمہ گو کے خلاف لڑنا جہاد نہیں سمجھتے تھے اور بالفرض اگر یہی جنگ، جہاد تھی تو یہ شرط پیش کرنا کہ مجھے محاذ جنگ پہ جانے دو چہ معنی دارد؟

اسی طرح انھوں نے حکومتِ وقت کے خلاف مسلح بغاوت یا خروج نہیں کیا تھا، ورنہ یزید کے پاس جا کر میں اپنا معاملہ حل کر لوں گا یہ شرط کبھی پیش نہ کرتے۔

آج المیہ یہ ہے کہ ہر شخص جو حکومت وقت سے مطالبات منوانا چاہتا ہے وہ سڑکوں پہ نکل آتا ہے، مظاہرہ کرتا ہے، دھرنا دیتا ہے، عوام کو مشتعل کرتا ہے اور پھر خود کو حُسینی اور

حکومتِ وقت کو اپنے نعروں سے یزیدی حکومت ثابت کرتا ہے اور اپنی تائید میں واقعہ کربلا ہی سے استدلال کرتا ہے اور اس میں عجیب افسانوی رنگ بھرتا ہے اور یہ نہیں سوچتا کہ کہاں نواسۂ رسول کا اسوۂ اور پاکیزہ سیرت و کردار اور کہاں میرے دنیاوی مفادات و مطالبات؟ اور پھر جب حکومتی ردعمل سامنے آتا ہے قربانی دینے کا وقت آتا ہے یا ان کے مطالبات مان لیے جاتے ہیں تو فوراً حسینی اور یزیدی دونوں گروہ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے صلح کا منظر پیش کرنے لگتے ہیں، لیکن کبھی ہم نے سوچا ہے کہ اس جمہوری طریقہ احتجاج سے لوگوں کی تربیت کیسی ہوئی؟ دراصل ہم نے آزادی اظہار رائے کی آڑ میں خارجیت اور تکفیر کے جراثیم پھیلائے، وہی ناسور جو روزِ اول سے ہی امتِ مسلمہ کے جسد واحد کے لیے زہر قاتل ہے اسی کا بیج بویا اور آبیاری کی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا صحیح فہم نصیب فرمائے آمین۔

الکفر و التکفیر کی بحث

لفظ ''کفر'' کے لغوی معنی: کسی چیز کو چھپانے کے ہیں اور یہ ایمان کی ضد ہے۔
عربی لغت میں لفظ ''کفر'' بہت سے معانی میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً:

- وہ زمین جو آبادی سے دور اور لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو اس کو بھی کافر یا الکفر کہتے ہیں۔ (لسان العرب ص ۱۴۸) میں ہے: " الكفر التراب عن اللحياني لأنه يستر ما تحته" لحیانی سے منقول ہے کہ مٹی کو الکفر بھی کہتے ہیں کہ وہ اپنی ماتحت اشیاء کو چھپا دیتی ہے۔
- اپنی زرہ کو کپڑے سے ڈھانپنے والے کو بھی کافر کہتے ہیں۔

ابن منظور فرماتے ہیں:

" إذا لبس الرجل فوق درعه ثوبا فهو كافر، قد كفَّر فوق درعه "
[لسان العرب ص : ١٤٨]

''جب آدمی اپنی زرہ پر کپڑا ڈال کر اسے چھپا دے تو اسے کافر کہتے ہیں، کیونکہ وہ زرہ کو چھپا دیتا ہے۔''

- کسان کو بھی کافر کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

﴿أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ﴾ [الحديد : ٢٠]

''جس سے اگنے والی کھیتی نے کاشت کاروں کو خوش کر دیا۔''

اس آیت کریمہ میں الکفار کا ترجمہ کسان ہے۔

❁ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

" الکفر في اللغة : ستر الشئ و وصف اللیل بالکافر لستره الأشخاص " [المفردات في غرائب القرآن، ص : ٤٣٣]

''لغت میں کفر کسی چیز کو چھپانے کو کہتے ہیں اور رات کو افراد کے چھپانے کی وجہ سے کافر سے متصف کیا جاتا ہے۔''

❁ ناشکری کو بھی ''الکفر'' کہا جاتا ہے، کیونکہ کفرانِ نعمت کرنے والا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو چھپاتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

﴿وَاشْكُرُوْا لِيْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ﴾ [البقرة : ١٥٢]

''اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری مت کرو۔''

الغرض کہ ''الکفر'' کے لغوی معانی مختلف ہیں، البتہ ان سب میں چھپانے کا معنی پایا جاتا ہے۔

''الکفر'' کی اصطلاحی تعریف:

عرفِ شرعی میں جو شخص اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتا ہے درحقیقت وہ حق کو اور اللہ تعالیٰ کی آیات و انعامات کو چھپاتا ہے، اسی لیے اسے کافر کہا جاتا ہے۔

جب مطلقاً کافر کا لفظ استعمال کیا جائے، تو اصطلاح میں اس سے مراد وہ شخص ہے جو ضروریاتِ دین یا نصوصِ قطعیہ (قرآن وسنت سے ثابت شدہ) میں سے کسی کا انکار کرے۔

''الکفر'' کی اقسام:

① کفرِ انکار:

اللہ تعالیٰ اور اس کے احکامات کا دل اور قول و عمل سے انکار کرے۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ [البقرة : ٦]

''بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان پر برابر ہے، خواہ تو نے انھیں ڈرایا ہو یا انھیں نہ ڈرایا ہو، ایمان نہیں لائیں گے۔''

② کفرِ جحود:

انسان دل سے تسلیم کرے لیکن زبان سے اقرار نہ کرے، ایسے شخص کو کافر جاحد کہتے ہیں، ابلیس کا کفر اسی قسم سے ہے۔ اسی طرح یہود کا کفر ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی بعثت کا ذکر کتابوں میں پڑھتے چلے آئے تھے، علماء سے سنتے آئے تھے، لیکن جب نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے تو انھوں نے جانتے سمجھتے ہوئے انکار کیا:

ارشادِ ربانی ہے:

﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾

[البقرة : ٨٩]

''پھر جب ان کے پاس وہ چیز آ گئی جسے انھوں نے پہچان لیا تو انھوں نے اس کے ساتھ کفر کیا، پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔''

قرآن مجید کی دوسری آیت مبارکہ میں ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرة : ١٤٦]

''وہ لوگ جنھیں ہم نے کتاب دی، اسے پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور بے شک ان میں سے کچھ لوگ یقیناً حق کو چھپاتے ہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں۔''

③ کفرِ نفاق:

انسان دل سے انکار کرے اور زبان سے اقرار کرے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَ لَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ﴾

[المائدة : ٤١]

''ان لوگوں میں سے جنھوں نے اپنے مونہوں سے کہا ہم ایمان لائے، حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے۔''

④ کفرِ عناد:

انسان دل سے یقین رکھے اور زبان سے اقرار بھی کرے، مگر حسد وعناد کی بنا پر قبول نہ کرے بلکہ مخالفت کرے، جیسا کہ ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کا کفر ہے۔

⑤ کفرِ ارتداد: دین سے پھر جانا:

اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کرنا، کفرِ ارتداد ہے۔ ارتداد کی سزا شریعت میں قتل بیان کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ)) [بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب، لايعذب بعذاب الله : ٣٠١٧]

''جس نے اپنے دین (اسلام) کو بدلا پس تم اس کو قتل کر دو''

کفرِ اکبر اور اصغر کی بحث:

کفر کا لغوی معنی چھپانا ہے، اصطلاح میں حق کا صریحاً انکار اور حقیقت سے فرار کفر کہلاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

① کفرِ اکبر۔

② کفرِ اصغر۔

کفرِ اکبر:

ایسا کفر صریح ہے جس سے انسان دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں، مثلاً:

ا۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ اور اسماء وصفات کا انکار کرنا، جیسا کہ دہریے اور کمیونسٹوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار کیا اور مشرکینِ مکہ جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمٰن وغیرہ کا انکار کیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ شرعی احکام کی تکذیب وتکفیر کرنا، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر عبادات وغیرہ کا انکار کرنا یا جھٹلانا، جیسے: عہدِ صدیقی میں منکرین زکوٰۃ پیدا ہوئے۔

۳۔ امور غیبیہ کا انکار، جن کی خبر اللہ اور رسول نے دی، مثلاً فرشتے، جن، حشر ونشر، جنت اور جہنم وغیرہ۔

۴۔ ارکانِ ایمان اور ارکانِ اسلام میں سے کسی کا انکار کرنا۔ جیسے کوئی کہے کہ میں تقدیر کو نہیں مانتا یا آخرت کا انکار کرتا ہوں، یا اللہ تعالیٰ کے مبعوث انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کا انکار کرنا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی کتب میں سے کسی کا منکر ہونا، اگرچہ بعض آیات کا ہی انکار کرے۔

۵۔ دین میں ثابت شدہ کسی چیز کا انکار کرنا یا یہ کہنا کہ زنا، سود، چوری وغیرہ حرام نہیں۔

۶۔ جادو سیکھنا، سکھانا یا اس کو مباح قرار دینا حالانکہ جادوگر کافر ہے اور اس کی سزا قتل ہے۔

۷۔ اللہ اور اس کے رسول اور ان کے احکامات کا استہزاء و مذاق اڑانا۔

۸۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے خلاف فیصلہ کرنا یا اس کی حدود کو بدلنا۔

اس میں ذرا تفصیل ہے ملاحظہ فرمایئے:

① استحلال: اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے خلاف کسی فیصلہ کو جائز اور حلال سمجھنا۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس شخص کے کافر ہونے پر علماء کا اجماع ہے جس نے کسی ایسی چیز کو حلال سمجھا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا، یا حلال چیز کو حرام سمجھا جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے۔ [فتاویٰ ابن باز : ۲/ ۳۳۰]

② تبدیل: اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کو ہٹا کر اس کی جگہ اپنا فیصلہ ثابت کرے اور اسے شریعت کی طرف منسوب کرے۔ ایسا کرنے والا شخص بالاجماع کافر ومرتد ہے۔

[فتاویٰ ابن تیمیة : ۳/ ۲۶۷]

③ جحود: اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا علم اور یقین ہونے کے باوجود انکار کرنا۔

④ تکذیب: اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو صریحاً جھٹلا دینا۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''کفرِ تکذیب یہ ہے کہ یہ یقین کرنا کہ پیغمبر جھوٹے ہیں۔'' (نعوذ باللہ)

[مدارج السالكين : ١/٣٤٦]

⑤ تفضیل: اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے خلاف کسی فیصلے کو افضل سمجھنا۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس نے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے خلاف فیصلہ کیا یہ سمجھتے ہوئے کہ اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے بہتر ہے تو وہ سب مسلمانوں کے ہاں کافر ہے۔[فتاویٰ ابن باز : ٤/٤١٦]

⑥ مساوات: کسی کے فیصلہ کو اللہ کے فیصلہ کے برابر سمجھنا۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس نے یہ عقیدہ اختیار کیا کہ لوگوں کے وضع کردہ قوانین اور فیصلے، شریعت اسلام سے بہتر ہیں یا اس کے برابر ہیں یا ان کے مطابق فیصلہ کرنا جائز ہے......تو وہ کافر ہے۔[فتاویٰ ابن باز : ١/١٢٣]

مذکورہ بالا صورتوں میں سے عملاً اور صریحاً کسی ایک کا بھی مرتکب کفر اکبر کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

تنبیہ: اگر حاکم وقت یا قاضی ''ما انزل اللہ'' کے خلاف فیصلہ کرے اور ''ما انزل اللہ'' کا اقراری ہے تو وہ تب تک دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا جب تک ''ما انزل اللہ'' کا صریحاً انکار نہ کرے۔ البتہ کفرِ اصغر کا مرتکب ضرور ہوگا۔

کفرِ اصغر:

جس کے ارتکاب سے انسان دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے خلاف فیصلہ کرنا کسی دنیوی غرض یا مفاد کے لیے،

یہ سمجھتے ہوئے کہ میرا فیصلہ جائز نہیں اور نہ شریعت کے فیصلے سے بہتر ہے اور نہ ہی اس کے برابر ہے اور نہ ہی وہ شریعت کا منکر ہے تو ایسا کرنے والا کفرِ اصغر کا مرتکب ہوگا کفرِ اکبر کا نہیں۔

چونکہ مرتکب کا یقین اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات اور شریعت پر ہے اور اس کا عمل دنیاوی غرض و مفاد کے لیے ہے، جب عمل اور عقیدہ میں اختلاف ہو تو عقیدہ کا اعتبار کرتے ہوئے اسے خارج از ملتِ اسلامیہ قرار نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ فتویٰ کفر لگانے کے لیے ہر اعتبار سے یقین لازم ہے، محض شک وشبہ کی بنیاد پر اسے دائرہ اسلام سے خارج نہیں کیا جا سکتا، جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ [دیکھیے فتاویٰ ابن تیمیة : ۴٦٦/۱۲]

عقیدے کا تعلق دل سے ہوتا ہے، جب تک وہ عقیدۂ کفر کا اظہار اپنی زبان سے نہ کرے یعنی کفرِ بواح نہ کرے تب تک شک ہے کہ اس کا عقیدہ ایسا ہے یا نہیں؟ پس شک کی بنیاد پر دلیل قائم نہیں ہوسکتی۔

تکفیر کے ضوابط میں سے ایک یہ ہے کہ کافر کا کفر قرآن، حدیث یا اجماع سے ثابت ہو۔

الشیخ ابوبکر الجزائری نے کفرِ اصغر کی مختلف صورتیں بیان کی ہیں:

① مسلمانوں سے قتال کرنا:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: « سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَ قِتَالُهُ كُفْرٌ » [بخاري، كتاب الايمان، باب خوف المؤمن...... : ۴۸]

''مسلمان کو گالی دینا گناہ اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے۔''

② غیر اللہ کی قسم اٹھانا:

رسول ﷺ نے فرمایا: « مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ كَفَرَ وَأَشْرَكَ » [مسند أحمد: ۱۲۵/۲، ح : ٦٠٧٢]

''جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا اور کفر کیا۔''

③ جان بوجھ کر نماز چھوڑنا:

رسول ﷺ کا فرمان ہے: « مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ » [المعجم الأوسط : ۳۴۳/۳، ح : ۳۳۴۸]

''جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے کفر کیا۔''[1]

④ قاضی اور حاکم کا خلافِ شریعت فیصلہ کرنا:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾

[المائدة : ٤٤]

''اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔''

اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ ''کفر دون کفر'' ہے یعنی وہ کفر نہیں جو دائرہ اسلام سے خارج کرتا ہو۔[مستدرك حاكم:٢/٣١٣، ح : ٣٢١٩]

⑤ کاہن کے پاس جانا اور اس کی غیبی خبروں کی تصدیق کرنا:

فرمان نبوی ہے:

« مَنْ أَتَى عَرَّافًا أَوْ كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ »

''جو کسی عرّاف یا کاہن کے پاس آیا اور اس کی تصدیق کی تو اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل شدہ کا انکار کیا۔''

⑥ کسی مسلمان بھائی کو کافر کہنا:

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ! فَقَدْ بَاءَ بِهِ أَحَدُهُمَا »[بخاري، كتاب الأدب، باب من كفر أخاه...... : ٦١٠٣]

''جب آدمی اپنے مسلمان بھائی کو کہتا ہے اے کافر! تو یہ (کلمۂ کفر) ان دونوں میں سے ایک پر ضرور لوٹتا ہے۔''

---

[1] انتباہ: نماز کا انکار کر کے ترک کرنے والا بالاتفاق کافر ہے اور اقرار کر کے نماز ترک کرنے والے شخص کے کافر ہونے میں اسلاف کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔[تفصیل کے لیے دیکھیں کتاب اعتقاد أهل السنه از إمام أبو بكر أحمد إبراهيم الإسماعيلي : ٢٩، ٣٠- ص٤٤،٤٥]

⑦ بیوی سے غیر فطری مقام سے یا دوران حیض جماع کرنا:

رسول ﷺ نے فرمایا:

« مَنْ أَتٰى حَائِضًا أَوِ امْرَأَةً فِيْ دُبُرِهَا أَوْ كَاهِنًا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ »

[ترمذي، كتاب الطهارة، باب ماجاء في كراهية......:١٣٥]

''جس نے حالت حیض میں یا عورت کی دبر میں جماع کیا یا کسی کاہن کے پاس آیا تو اس نے محمد کریم ﷺ پر نازل شدہ کا انکار کیا۔''

مذکورہ بالا سات صورتیں کفر اصغر کی ہیں، اس کے علاوہ بھی اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے رسالہ ''مسلمان کو کافر کہنا کیسا ہے؟'' از ابو بکر الجزائری اردو مترجم۔

''کفر دُون کفر'' کی اصطلاح:

لغتِ قرآن وسنت میں لفظ '' الکفر'' کا صرف یہی معنی نہیں جو باور کرایا جاتا ہے یعنی دین سے خروج اور ارتداد۔ بعض لوگ فہم سلف سے دوری کے باعث اپنی تکفیری سوچ وفکر کے مطابق لفظ ''الکفر'' کا ہمیشہ ایک ہی معنی بیان کرتے ہیں، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔

کبھی ''الکفر'' کا معنی ''کفرِ اصغر'' یا ''کفر دون کفر'' بھی ہوتا ہے۔ مثلاً:

① سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما: ﴿وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: '' ليس الكفر الذي تذهبون إليه و إنه ليس كفرا ينقل عن الملة وهو كفر دون كفر'' (اس آیت میں) وہی کفر نہیں، جو تم نے سمجھا ہے اور نہ ہی وہ کفر ہے جو دین سے نکال دے بلکہ یہ ''کفر دون کفر'' ہے (یعنی کفر اصغر ہے جو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا)۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مراد شاید خوارج ہیں، جنھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا اور مسلمانوں کا ناحق خون بہایا۔ [التحذير من فتنة التكفير للإمام ألباني، ص ١٦، اردو مترجم] مزید تفصیل کے لیے شیخ سلیم الہلالی حفظہ اللہ کی کتاب ''قرۃ العیون فی تصحیح تفسیر عبداللہ

بن عباس رضی اللہ عنہما'' ملاحظہ فرمائیے:

② نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَ قِتَالُهُ كُفْرٌ)) [بخاري، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن...... : ٤٧]

''مسلمان کو گالی دینا فسق (گناہ) ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔''

اس حدیث میں ''کفر'' سے مراد کفر دون کفر ہے، یعنی مسلمانوں کا باہمی قتل کفر یہ فعل ہے لیکن کفر اصغر ہونے کی وجہ سے انھیں دین سے خارج نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ [الحجرات: ٩، ١٠]

''اور اگر ایمان والوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو دونوں کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر دونوں میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس (گروہ) سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے، پھر اگر وہ پلٹ آئے تو دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ مومن تو بھائی ہی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

اس باہم قتال کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انھیں ایمان کے لقب یعنی مومنین کے دو گروہ کہہ کر پکارا ہے۔ [التعليق التحذير من فتنة التكفير ص: ١٧، از محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ، اردو مترجم]

تفسیر القرآن الکریم میں ہے: ''امام بخاری اور دوسرے ائمہ کرام نے فرمایا کہ آیت: ﴿ وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ دلیل ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے لڑنے کے باوجود مسلمان ہی رہتے ہیں، اسلام سے خارج یا مرتد نہیں ہو جاتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

لڑنے والے دونوں فریقوں کو مومن قرار دیا ہے اور اس سے اگلی آیت میں بھی فرمایا: ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ﴾ [الحجرات : ١٠] ''مومن تو (آپس میں) بھائی ہی ہیں، سو اپنے ''بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو۔'' اسی طرح آیت قصاص میں قاتل کو مقتول کے وارث کا بھائی قرار دیا، فرمایا: ﴿ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ﴾ [البقرة : ١٧٨] ''پھر جسے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی معاف کر دیا جائے تو معروف طریقے سے پیچھا کرنا اور اچھے طریقے سے اس کے پاس پہنچا دینا (لازم) ہے۔'' رہا حدیث میں مسلمان سے لڑائی کو کفر قرار دینا تو اس سے وہ کفر مراد نہیں جس کی وجہ سے آدمی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، بلکہ اس سے مراد ''کفر دون کفر'' یعنی کفر اکبر (جس سے انسان اسلام سے خارج ہوتا ہے) سے کم تر درجے کا کفر ہے، کیونکہ گناہ کے تمام کام کفر اور جاہلیت ہیں اور ایسے شخص کو کافر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے کفر کے کام کا ارتکاب کیا ہے، اس کا ایمان کامل نہیں بلکہ وہ ناقص الایمان مومن ہے، یہ نہیں کہ وہ ملت اسلام سے خارج ہو گیا۔ دلیل اس کی زیر تفسیر آیت اور دوسری بہت سی آیات و احادیث ہیں جو امام بخاری نے اپنی صحیح کی ''کتاب الایمان'' میں اور دوسرے ائمہ نے اپنی تصانیف میں بیان فرمائی ہیں۔ اس آیت سے خوارج کے عقیدے کی نفی ہوتی ہے جو کسی بھی کبیرہ گناہ کے مرتکب کو، جس نے توبہ نہ کی ہو، کافر اور ابدی جہنمی سمجھتے ہیں اور معتزلہ کے عقیدے کی بھی جو کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ مومن ہے نہ کافر۔ انجام کے لحاظ سے وہ بھی اسے ابدی جہنمی قرار دیتے ہیں۔'' [تفسیر القرآن الکریم، الحجرات : ٩]

❁ ثابت بن عبید سے روایت ہے، انھوں نے کہا: "سَمِعْتُ أَبَا جَعْفَرٍ يَقُوْلُ : لَمْ يَكْفُرْ أَهْلُ الْجَمَلِ"

(بعض روافض اصحاب جمل کی تکفیر کرتے تھے ان کی تردید میں) میں نے ابوجعفر الباقر محمد بن علی بن الحسین کو فرماتے ہوئے سنا: اصحاب جمل (جنھوں نے باہمی جنگ لڑی) نے

کفر نہیں کیا (مصنف ابن ابی شیبہ۔۸/۸۰۷ (نسخہ امدادیہ) و ۲۱/۳۷۰ رقم :۳۸۹۲۳ بتحقیق محمد عوامہ)

اسی طرح یزید بن الاصم کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ صفین والے دن مقتولوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: "قتلانا وقتلاهم في الجنة" ہمارے اور ان کے مقتول جنتی ہیں۔ [ابن ابی شیبہ: ۲۱/۴۲۳ رقم: ۳۹۰۳۵۔ تاریخ دمشق لابن عساکر ۵۹/۱۳۹ سعید بن منصور (۲۹۶۸)]

③ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«اِثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ، الطَّعْنُ فِي النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ» [مسلم، كتاب الإيمان، باب إطلاق اسم الكفر...... : ٦٧]

"لوگوں میں دو خصلتیں ایسی ہیں کہ ان کے ساتھ کفر پایا جاتا ہے، حسب ونسب میں طعن کرنا اور میت پر نوحہ کرنا۔"

بلاشبہ یہ دونوں عمل (حسب میں طعن اور نوحہ گری) انسان کو ملت اسلامیہ سے خارج نہیں کرتے، لہٰذا اس حدیث میں بھی لفظ "کفر" سے مراد کفر دون کفر ہے، جسے کفرِ اصغر یا کفر عملی کہتے ہیں۔

کفر اعتقادی اور کفر عملی میں تفریق نہ کرنے کا خطرناک نتیجہ:

❁ علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ اپنے کلام میں ہمیشہ کفر اعتقادی اور کفر عملی کے درمیان فرق کی اہمیت کو اجاگر کیا کرتے تھے، کیونکہ اگر اس فرق کو ملحوظ خاطر نہ رکھا جائے تو مسلمان لاشعوری طور پر مسلمانوں کی جماعت سے خروج کے اس فتنے میں مبتلا ہو جاتے ہیں، جس میں زمانہ قدیم کے خوارج مبتلا ہوئے تھے یا پھر دور حاضر میں انھی کے کچھ دُم چھلے مبتلا ہیں۔"

[التحذير من فتنة التكفير للإمام ألباني، ص : ٢١، ٢٢۔ اردو مترجم]

اجماع کی بحث:

کتاب وسنت کے بعد ثابت شدہ اجماع کی حجیت مسلمہ ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾

[النساء : ١١٥]

''اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت خوب واضح ہو چکی اور مومنوں کے راستے کے سوا (کسی اور) کی پیروی کرے ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرے گا اور ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔''

اس آیت کریمہ میں ''سبیل المؤمنین'' سے مراد علماء نے اجماع کا حجت ہونا لیا ہے۔

[الجامع للأحکام القرآن للقرطبي، تفسیر بیضاوي، ابن کثیر]

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

« لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ، ظَاهِرِيْنَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ »

[مسلم، کتاب الإمارة، باب قوله ﷺ لا تزال طائفة ...... : ١٩٢٣]

''میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر قتال کرتی رہے گی اس حال میں کہ وہ قیامت تک غالب رہیں گے۔''

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

« و فيه دليل لكون الإجماع حجة و هو أصح ما يستدل به من الحديث » [شرح مسلم للنووي : ١٤٣/٢]

''اور اس (حدیث) میں اجماع کے حجت ہونے کی دلیل ہے (امام نووی کے نزدیک) احادیث میں سے اجماع ثابت کرنے والی یہ سب سے زیادہ صحیح دلیل ہے۔''

تنبیہ: اجماع اگر ضروریاتِ دین میں سے کسی مسئلہ پر ہو تو اس کا انکار کفر ہے۔ البتہ اجماع

کی وہ صورتیں جو مختلف فیہ ہیں، ان میں سے کسی کا بھی انکار کفر نہیں، کیونکہ کسی مسلمان کا کافر ہو جانا اس کو مباح الدم کر دیتا ہے، اس لیے کمال احتیاط سے کام لیا جائے، پس وہ مسئلہ جس میں اختلاف یا شبہ ہو اس پر کسی مسلمان کی تکفیر کرنا جائز نہیں۔

کفار سے مشابہت:

❋ کفار کے دینی شعائر یا طریقہ کو اپنانا:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ))

[أبوداوٗد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة : ٤٠٣١]

''جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا، وہ انھی میں سے ہوگا۔''

نبی کریم ﷺ نے اہلِ اسلام کو کفار و مشرکین سے خود کو ظاہری اعتبار سے بھی علیحدہ ثابت کرنے کا حکم دیا ہے اسی لیے خاص وضع قطع میں مجوسیوں، یہودیوں، کفار و مشرکین کی مخالفت کا حکم ہے، یہاں تک کہ آپ نے عبادات اور عید و تہوار میں بھی ان سے علیحدگی ظاہر فرمائی ہے، جیسا کہ یوم عاشورا کا روزہ، عید الفطر اور عید الاضحیٰ وغیرہ۔

الغرض کفار و مشرکین کے دینی شعائر اور طریقوں سے ہر ممکن احتراز و اجتناب اور وضع قطع میں بھی کفر اور اسلام کے امتیاز کو برقرار رکھنا اسلامی حمیت کا تقاضا ہے۔

لیکن اگر کسی نے اسلام کے استخفاف (حقیر جاننا) یا کفر کی تعظیم کی نیت کے بغیر کفار کی مشابہ صورت، طریقہ یا انداز وغیرہ اختیار کیا، جیسے آج کے جدت پسند اور مغربی تہذیب یافتہ یا فیشن کی وبا میں پھنسے ہوئے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں کرتے ہیں، تو اس وجہ سے ان کی تکفیر کرنا درست نہیں۔ البتہ ان کے فسق و فجور میں کوئی شک نہیں۔

ہاں اگر کسی نے جنگ میں یا جاسوسی کے لیے بظاہر کفار کا روپ دھارا ہے تو یہ جائز ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ)) [مسلم، كتاب الجهاد، باب ماجاء جواز الخداع في الحرب: ١٧٣٩، ١٧٤٠]

''جنگ دھوکا ہے۔''

اسی طرح محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا کعب بن اشرف یہودی کو قتل کرنے کا واقعہ بھی اس کی دلیل ہے کہ جنگ میں دشمن کو دھوکا دینے کے لیے بظاہر ان کے اقوال و اعمال کو اختیار کرنا جائز ہے (دیکھئے صحیح مسلم: ۱۸۰۱) اس پر تکفیر کرنا درست نہیں، کیونکہ تکفیر میں نیت کا اعتبار بہرصورت لازم ہے۔

صحتِ ایمان اور تکمیلِ ایمان کا فرق ملحوظ رکھنا:

❁ جیسا کہ اکثر احادیث میں ”لَا إِیْمَانَ...... لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ...... لَیْسَ مِنَّا“ وغیرہ کے الفاظ سے نفیِ ایمان مراد نہیں بلکہ نفیِ تکمیلِ ایمان مراد ہے، لہٰذا صحتِ ایمان اور تکمیلِ ایمان کا فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے، مثلاً

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« لَا إِیْمَانَ لِمَنْ لَّا أَمَانَةَ لَهٗ » [مسند أحمد : ۱۳۵/۳، ح : ۲۱۳۸۳]

اس حدیث میں ”لَا إِیْمَانَ“ میں لائے نفی کمال ہے، لائے نفی جنس نہیں۔ لہٰذا مطلق ایمان کی نفی نہیں، بلکہ تکمیل ایمان کی نفی ہے۔

اسی طرح ” لَا دِیْنَ، لَا إِسْلَامَ، لَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا“ وغیرہ سے مراد تکمیلِ ایمان کی نفی ہے، یعنی ان کا ایمان دار ہونا مکمل نہیں بلکہ ناقص ہے، دائرہ اسلام سے خارج ہونا مراد نہیں۔ یہاں بھی کفر اعتقادی اور عملی کا فرق ملحوظ رکھنا واجب ہے۔ اصل چیز ایمان کا معتبر ہونا ہے اور اس میں کمی و بیشی کتاب و سنت سے ثابت ہے،اور علمائے سلف کا اس پر اجماع ہے: جیسا کہ ”صحیح بخاری“ میں ہے نبی کریم ﷺ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کو مجھ سے کتنی محبت ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: تمام لوگوں سے زیادہ مگر اپنی جان سے زیادہ نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تک اپنی جان سے زیادہ مجھ سے محبت نہیں کرو گے تب تک ایماندار نہیں ہو سکتے، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب اور عزیز ہیں، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: « اَلْآنَ یَا عُمَرُ! » ”اے عمر! اب ایمان مکمل ہے۔“

اسی طرح بعض احادیث میں بھی اس طرح کے الفاظ ہیں:

۱۔ « لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ »

[شرح السنة: ۱/۲۱۳۔ السنة لابن أبي عاصم (۱۵) إسناده محتمل للتحسين]

’’تم میں سے کوئی ایک اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اس کی خواہش اس چیز کے تابع ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں۔‘‘

۲۔ « لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ » [بخاري، كتاب الإيمان، باب حب الرسول من الإيمان : ۱۵]

’’تم میں سے کوئی ایک اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے والد اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں‘‘۔

اسی طرح بعض احادیث میں ’’لَيْسَ مِنَّا‘‘ کے الفاظ ہیں، جن اعمال کے ارتکاب پر ’’لَيْسَ مِنَّا ‘‘ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، وہاں بھی کفر اعتقادی اور عملی کا اعتبار لازمی ہے۔

ایمان کے چھ ارکان اور اسلام کے پانچ ارکان متعین ہیں، ان میں سے کسی ایک کا انکار کفر و ارتداد ہے، لیکن عمل کے حوالے سے ان میں تساہل یا کمی و بیشی کرنا معصیت، نفاق، فسق یا کفر دون کفر کے زمرے میں آتا ہے، صریح انکار کے بغیر تکفیر ناممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾ [الحجرات : ۱٤]

’’بدویوں نے کہا ہم ایمان لے آئے، کہہ دے تم ایمان نہیں لائے اور لیکن یہ کہو کہ ہم مطیع ہو گئے اور ابھی تک ایمان تمھارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔‘‘

آیت کریمہ میں ایمان کی نفی کے باوجود انھیں دائرہ اسلام سے خارج نہیں قرار دیا گیا۔ (دیکھیے کتب تفسیر)

طعن فی الدین (شریعت کا استہزاء و انکار):

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا﴾ [النساء : ١٤٠]

''اور بلاشبہ اس نے تم پر کتاب میں نازل فرمایا ہے کہ جب تم اللہ کی آیات کو سنو کہ ان کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے تو ان کے ساتھ مت بیٹھو، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔ بے شک تم بھی اس وقت ان جیسے ہو، بے شک اللہ منافقوں اور کافروں، سب کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿وَ اِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ﴾ [التوبة : ١٢]

''اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمھارے دین میں طعن کریں تو کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو۔ بے شک یہ لوگ، ان کی کوئی قسمیں نہیں ہیں، تاکہ وہ باز آجائیں۔''

دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ شریعت کی توہین کرنا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے انبیاء علیہم السلام اور احکامات کا استہزاء و انکار کرنا صریحاً کفر و ارتداد ہے۔ ایسے گستاخ لوگوں سے قتال واجب ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص شریعت کو تسلیم کرے لیکن سستی یا موانع کفر میں سے کسی ایک مانع کی بنا پر شرعی احکام کو ترک کر دے، مذاقاً یا صریحاً انکار نہ کرے تو وہ فاسق و فاجر ہے اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" و كذالك نقل عن الشافعي أنه سئل عمن هزل بشيئ من آيات الله تعالى أنه قال : هو كافر و استدل بقول الله تعالى : ﴿قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ

وَ رَسُوۡلِهٖ كُنۡتُمۡ تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۞ لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ ﴾

[التوبة : ٦٥، ٦٦]

''اور اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ آپ سے اس شخص کے متعلق دریافت کیا گیا جو اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اڑاتا ہے تو آپ نے فرمایا: وہ کافر ہے۔ آپ نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: کہہ دیجیے اے پیغمبر (ﷺ)! کیا تم اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے رسول کا مذاق اڑا رہے تھے۔ (اب) تم معذرت مت کرو بے شک تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گئے ہو۔''

مسئلہ اہانتِ رسول:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ مَنۡ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبۡرِيۡلَ وَ مِيۡكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ ﴾ [البقرة : ٩٨]

''جو کوئی اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکال کا دشمن ہو تو بے شک اللہ سب کافروں کا دشمن ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوۡضُ وَ نَلۡعَبُ ؕ قُلۡ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوۡلِهٖ كُنۡتُمۡ تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۞ لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ ﴾

[التوبة : ٦٥، ٦٦]

''اور بلاشبہ اگر تو ان سے پوچھے تو ضرور ہی کہیں گے ہم تو صرف شغل کی بات کر رہے تھے اور دل لگی کر رہے تھے۔ کہہ دے کیا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول ہی کے ساتھ مذاق کر رہے تھے؟ بہانے مت بناؤ، بے شک تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا۔''

اور فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ [التوبة : ٦١]

''اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

اور فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ [الأحزاب : ٥٧]

''بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا۔''

اور فرمایا:

﴿اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ﴾ [الكوثر : ٣]

''یقیناً تیرا دشمن ہی لا ولد ہے۔''

اور فرمایا:

﴿مَلْعُوْنِيْنَ ۛ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا﴾ [الأحزاب : ٦١]

''اس حال میں کہ لعنت کیے ہوئے ہوں گے، جہاں کہیں پائے جائیں گے۔''

مذکورہ بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات یعنی قرآن مجید اور اس کے انبیاء و رسل علیہم السلام کی بے ادبی اور تنقیص کفرِ اکبر ہے، نیز ایسے لوگ ملعون اور دردناک عذاب کے مستحق ہیں اور دنیا میں ان کی شرعی سزا قتل ہے اور ایسے لوگ کسی طرح بھی معافی تلافی کے لائق نہیں۔ [1]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" فإن كان مسلمًا وجب قتله بالإجماع لأنه بذالك كافر مرتد و أسوأ من الكافر فإن كان الكافر يعظم الرب و يعتقد أن ما هو

[1] اسلامی مملکت میں اس سزا کا نفاذ حکمران کی ذمہ داری ہے جن کے پاس قوت و غلبہ ہے اس کا اختیار ہر ایک کو نہیں دیا جا سکتا۔

علیه من الدین الباطل لیس باستهزاء اللّٰه و لا مسبه له "

[الصارم المسلول : ۳۷۷]

''پس اگر وہ (اہانت کا مرتکب) مسلمان ہوتو بالاجماع قتل کیا جائے گا، کیونکہ وہ اس سے کافر ومرتد ہوگیا بلکہ وہ کافر سے بھی بدتر ہے، اس لیے کہ کافر رب کی تعظیم کرتا ہے اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جس باطل دین پر وہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مذاق نہیں اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کے لیے سبّ وشتم ہے۔''

انتباہ: کفر اور اہانت میں فرق ہے: کفار کے وہ عقائد جو دنیوی اعتبار سے سبّ وشتم شمار نہیں کیے جاتے، مثلاً! نصاریٰ کا عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہنا صریح کفر ہے، لیکن اس کی سزا قتل نہیں وغیرہ۔

لیکن اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کی شان میں کوئی ایسا کلمہ استعمال کیا، جو توہین پر مبنی ہو یا قرآن مجید کی بے حرمتی یا انبیاء علیہم السلام کی تنقیص ہو تو یہ اہانت ہے اور اس کی سزا قتل ہے۔ یعنی کفر اور اہانت میں فرق ہے۔

اسم تصغیر کی بحث:

اسم تصغیر کے ذریعے کسی چیز کے چھوٹے پن کو ظاہر کیا جاتا ہے، اگر کوئی شخص اس صیغہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق توہین یا مذاق کے لیے استعمال کرے گا تو اس کی تکفیر کی جائے گی، مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریشی ہیں، قریش اسم تصغیر ہے جو نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہا جاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قریش اسم تصغیر کا استعمال بالکل جائز ہے، لیکن اگر کوئی توہین و استہزاء کی نیت سے آپ کے لیے اسم تصغیر استعمال کرے، تو یہ کفر ہے۔

توہین رسالت ناقابل معافی جرم ہے:

قرآن وسنت اور اجماع کی روشنی میں شاتم رسول کافر ہے اور اس کی سزا قتل ہے، البتہ اختلاف اس میں ہے کہ ارتداد کی وجہ سے قتل کیا جائے گا یا حد کی وجہ سے؟ نیز اس کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟

بعض علماء کا مؤقف ہے کہ گستاخِ رسول ارتداد کی وجہ سے واجب القتل ہے، وہ اس کی توبہ کی قبولیت کے قائل ہیں اور جو علمائے امت جن کے نزدیک کہ اہانت رسول کی سزا ایک الگ شرعی حد ہے جو کہ قتل ہے، تو وہ اس کی توبہ کے عدم قبولیت کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ دنیا میں اس پر قتل کی حد واجب ہے، البتہ اگر وہ اخلاص نیت سے توبہ کرے گا تو وہ آخرت کی سزا سے بچ جائے گا۔ ہمارے نزدیک گستاخِ رسول واجب القتل ہے، یہ ایک شرعی حد ہے جو کافر اور مسلم کی تفریق کے بغیر لاگو ہوتی ہے، لیکن اگر کوئی مسلمان ہوتے ہوئے اہانت رسالت کا ارتکاب کرے تو ارتداد کی سزا بھی شامل ہوگی، یعنی اصل شرعی حد واجب القتل ہے اسی بنا پر گستاخِ رسول کی توبہ قبول نہیں، لیکن اگر وہ اخلاص نیت سے توبہ کرے تو آخرت میں معاملہ اللہ کے سپرد ہوگا۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" و قال محمد بن سحنون : أجمع العلماء على أن شاتم النبي صلى الله عليه وسلم المنتقص له كافر، والوعيد جار عليه بعذاب الله له و حكمه عند الأمة القتل " [الصارم المسلول ص: ٩]

''امام محمد بن سحنون فرماتے ہیں: تمام علماء کا اجماع ہے کہ شاتم رسول آپ ﷺ کی عیب جوئی کرنے والا کافر ہے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید ہے، تمام امت کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے۔''

اگر کوئی مسلمان اہانتِ رسول کا ارتکاب کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور اس کی سزا قتل ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: « مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ » [بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب لا يعذب بعذاب الله: ٣٠١٧]

''جو اپنے دین کو بدل دے تو اسے (سزا کے طور پر) قتل کر دو۔''

اگر کوئی کافر توہین رسالت کا مرتکب ہو تب بھی واجب القتل ہے، حتیٰ کہ اگر وہ ذمی یا معاہد ہو تو اس کا ذمہ اور عہد ٹوٹ جائے گا اور اسے قتل کر دیا جائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے کعب بن اشرف یہودی گستاخ رسول کو قتل کرنے کے لیے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی ڈیوٹی لگائی، اس کام کی اہمیت کا اندازہ لگائیے کہ انھیں ظاہری طور پر اعتماد دلانے کے لیے کلمۂ کفر تک کہنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔[دیکھیے مسلم : ۱۸۰۱]

اسی طرح امام ابو داود رحمہ اللہ نے واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک نابینا صحابی نے اپنی ایک لونڈی جو توہینِ رسالت کا ارتکاب کرتی تھی اس کو قتل کر دیا، جب نبی کریم ﷺ کو اطلاع ملی تو دریافت احوال کے بعد فرمایا: ''اس عورت کا خون باطل (رائیگاں) ہے۔'' [أبو داود : ٤٣٦١]

اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودیہ عورت توہین رسالت کا ارتکاب کرتی تھی، ایک آدمی نے اسے قتل کر دیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اس کا خون باطل (رائیگاں) ہے''۔[أبوداؤد : ٤٣٦٢]

امام ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أجمع عوام أهل العلم على أن حد من سب النبي صلى الله عليه وسلم القتل" [الصارم المسلول:١/٣]

''اس پر اجماع ہے کہ گستاخ نبی کی سزا قتل ہے۔''

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" أخبرنا أصحاب مالك أنه قال: من سب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أو غيره من النبيين من مسلم أو كافر قتل و لم يستتب "
[الشفاء : ٢/٢١٦]

''امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انبیاء میں سے کسی کی توہین کرنے والا مسلمان ہو یا کافر، قتل کیا جائے گا اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں:

قال الخطابي : "لا أعلم أحدا من المسلمين اختلف في وجوب قتله" [الصارم المسلول ص : ٩]

''امام خطابی فرماتے ہیں کہ میں کسی ایسے مسلمان کونہیں جانتا جس نے گستاخِ رسول کے قتل کے واجب ہونے میں اختلاف کیا ہو۔''

نیز آپ لکھتے ہیں:

" وقد ثبت أن حده القتل بالسنة والإجماع "

[الصارم المسلول ص : ٢٠٧]

''سنت اور اجماع سے ثابت ہوگیا کہ گستاخ رسول کی سزا قتل ہے۔''

شانِ رسالت کے سوا کسی کی توہین کی سزا قتل نہیں:

سیدنا ابو برزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا، ایک شخص پر آپ غضب ناک ہوئے تو اس نے جواباً سختی کی، میں نے کہا، مجھے اجازت دیجیے میں اس کی گردن اڑا دوں، تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غصہ ختم ہو گیا، آپ اٹھ کر چلے گئے اور مجھے وہاں بلایا اور پوچھا، ابھی تم نے کیا بات کہی تھی؟ میں نے کہا کہ مجھے اجازت دیجیے میں اس کی گردن اڑا دوں۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اگر میں تجھے اس بات کا حکم دیتا تو تو ایسا کرتا؟ میں نے کہا: جی ہاں، تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لَا وَاللّٰهِ مَا كَانَتْ لِبَشَرٍ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"

[أبو داؤد، كتاب الحدود، باب الحكم فيمن سب النبي صلى الله عليه وسلم : ٤٣٦١]

''نہیں! اللہ کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی انسان کی خاطر ایسا کرنا جائز نہیں۔''

البتہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس شخص کو کوڑے مارے جس نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو گالی دی۔ [شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي : ٢٢٧/٢]

حدیث وضع کرنے والے کی تکفیر کا مسئلہ:

جھوٹ بولنا کبیرہ گناہ اور علامتِ نفاق ہے، ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے، لیکن اگر کوئی جھوٹ کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دے تو اس گناہ کی شدت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

❁ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلَى أَحَدٍ، فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ » [المسلم، مقدمة : ٤]

''بے شک مجھ پر جھوٹ باندھنا اس طرح نہیں جیسے تم میں سے کسی پر جھوٹ باندھا جاتا ہے، پس جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔''

❁ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ يَكْذِبْ عَلَيَّ يَلِجِ النَّارَ »[مسلم، مقدمة: ١]

''میری طرف جھوٹ منسوب نہ کرو، کیونکہ جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے گا جہنم میں داخل ہوگا۔''

انھی روایات کی بنا پر حدیث وضع کرنے والے کی تکفیر میں علماء کا اختلاف ہے، البتہ اس کے کبیرہ گناہ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

امام ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" واتفقوا على أن تعمد الكذب على النبي صلى الله عليه وسلم من الكبائر و بالغ أبو محمد الجويني فكفر من تعمد الكذب على النبي صلى الله عليه و سلم " [شرح نخبة الفكر، ص : ٤٥٢]

''تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عمداً نبی کریم ﷺ پر جھوٹ باندھنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ ابومحمد الجوینی نے اس بارے میں مبالغہ کیا ہے انھوں نے نبی کریم ﷺ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھنے والے کی تکفیر کی ہے۔''

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" بل بالغ الشيخ أبو محمد الجويني فجزم بتكفير واضع الحديث "
[تدريب الراوي ص : ٢٥٢]

''بلکہ الشیخ ابومحمد الجوینی نے حدیث وضع کرنے والے کی تکفیر میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" قد ذهب طائفة من العلماء إلى أن الكذب على النبي صلى الله عليه وسلم كفر ينقل عن الملة ولا ريب أن تعمد الكذب على الله و رسوله في تحليل حرام أو تحريم حلال كفر محض و إنما الشأن في الكذب عليه صلى الله عليه وسلم في ماسوىٰ ذالك "

[كتاب الكبائر ص : ٢٣]

''علماء کے ایک گروہ کا مؤقف یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنا ایسا کفر ہے جو دین سے نکال دے اوراس میں کوئی شک نہیں کہ اگر کسی نے جان بوجھ کر اللہ اوراس کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھا، اس لیے کہ حرام کو حلال کردے یا حلال کو حرام کر دے تو محض کفر ہے، نبی کریم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے کے کفر ہونے میں اختلاف اس صورت میں ہے جب وہ حلت و حرمت میں نہ ہو۔''

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ وضعِ حدیث انتہائی کبیرہ گناہ ہے، لیکن اس کی تکفیر سے احتراز کیا جائے گا، البتہ اسے توبہ کی تلقین کی جائے گی۔ ہاں اگر دین میں تبدل و تغیر یا حلال وحرام کو بدلنے کے لیے، عمداً حدیث وضع کرے تو یہ کفر ہے۔

اہل قبلہ کی اصطلاح:

اہلِ علم کے مابین اہلِ قبلہ کی اصطلاح معروف ہے، جو مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ سے ماخوذ ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« مَنْ صَلّٰى صَلَاتَنَا، وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا، وَ أَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا، فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ، الَّذِيْ لَهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَ ذِمَّةُ رَسُوْلِهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا تُخْفِرُوا

اللّٰهِ فِيْ ذِمَّتِهِ ﴾ [بخاري، كتاب الصلاة، باب فضل استقبال القبلة:٣٩١]

''جس نے ہماری طرح نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا، وہ مسلمان ہے جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذمہ ہے، پس اللہ تعالیٰ کے (حفظ واماں کے)ذمہ کو نہ توڑو۔''

اس حدیث میں اہلِ اسلام کی علامات بیان ہوئی ہیں، ان میں سے ایک، اہلِ قبلہ ہونا ہے، یہ ایک اصطلاح ہے، جس سے مراد ضروریات دین پر ایمان لانے والے ہیں، محض قبلہ کی طرف توجہ کرنا مراد نہیں۔

امام الطحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" و نسمي أهل القبلة مسلمين مؤمنين ما داموا بما جاء به النبي صلى الله عليه و سلم معترفين " [العقيدة الطحاوية ص : ٢٣]

''اور ہم اہل قبلہ کو مسلمان مومن کہتے ہیں جب تک وہ اس کا اعتراف کرتے رہیں جو کچھ نبی کریم ﷺ ساتھ لے کر آئے ہیں۔''

مزید لکھتے ہیں:"و لا نكفر أحدا من أهل القبلة بذنب ما لم يستحله "

[العقيدة الطحاوية ص : ٢٤]

''ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے کسی گناہ کے سبب، جب تک وہ اس کو حلال نہ سمجھے۔''

خلاصۂ کلام: اہلِ قبلہ ہونا ایک اصطلاح ہے، لغوی معنی مراد نہیں، اس سے وہ لوگ مراد ہیں، جو ضروریاتِ دین پر ایمان رکھتے ہوں ان کی تکفیر تب تک جائز نہیں جب تک ان میں کفر بواح کی علامت نہ پائی جائے، خواہ کتنے ہی کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کریں، کبائر کے مرتکب ہونے کی وجہ سے انھیں فاسق، فاجر تو کہا جا سکتا ہے کافر نہیں۔

ضرویاتِ دین کا انکار:

ضروریاتِ دین سے وہ تمام قطعی اور یقینی امورِ دین مراد ہیں، جن کا دین ہونا رسول اللہ ﷺ سے قطعی طور پر معلوم ہے اور حد تواتر و شہرت عام تک پہنچ چکا ہے، حتیٰ کہ عوام بھی ان کو

دین رسول اللہ ﷺ جانتے اور مانتے ہیں، مثلاً، توحید، نبوت اور ختم نبوت، آخرت، نماز و روزہ کا فرض ہونا اور شراب اور سود وغیرہ کا حرام ہونا۔ [إكفار الملحدين ص ٦٢]

ضروریات دین کا منکر کافر ہے۔ (ایضاً ص ۱۰۳)

کافر کو کافر کہنا:

دینِ اسلام عدل و اعتدال پر مبنی ہے، افراط وتفریط سے مبرأ دعوت اس کی اساس ہے، اس کی تکمیل کے بعد کسی کو تنسیخ یا اضافہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں، بعض لوگ اپنی تنگ نظری کی بنا پر اسلام کا دائرہ اتنا تنگ کر لیتے ہیں کہ انھیں اپنے سوا کوئی دوسرا مسلمان نظر نہیں آتا اور بعض لوگ اپنی وسعت ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہود و نصاریٰ کو بھی کافر نہیں سمجھتے اور اس کو رواداری، بردباری، عالمی بھائی چارہ، بین المذاہب ہم آہنگی اور وحدت ادیان جیسی ملمع اور پُر فریب اصطلاحات سے تعبیر کرتے ہیں۔

جبکہ اسلام اچھے اور برے کی پہچان کرتا ہے، خبیث اور طیب کی تمیز سکھاتا ہے، کفر اور اسلام کی حد بندی بتاتا ہے "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" کی دعا سکھاتا ہے۔

اسلام میں جہاں محض ظن و جذبات کی بنا پر کسی مسلمان کلمہ گو کو کافر کہنے کی مذمت اور ممانعت ہے، وہاں جن کا کفر، قطعی الثبوت ہو ان کو کافر کہنا اور لوگوں کو خبردار کرنے کی اجازت بھی ہے، تاکہ کفر اور اسلام، حق (مسلمان) اور باطل (یہودی، عیسائی، ہندو) وغیرہ کے مابین تفریق لازم رہے، جو عقیدہ الولاء والبراء کی بنیاد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ [الكافرون : ١]

''کہہ دے اے کافرو!''

اس آیت کریمہ سے ان لوگوں کو کافر کہنے کا جواز ہے، جنھوں نے براہ راست نبی کریم ﷺ کی تکذیب کی، جیسے: ابولہب، ابوجہل، مسیلمہ کذاب وغیرہ۔

چونکہ آج ہمارے پاس کسی کے ایمان اور کفر کو جاننے کا واحد ذریعہ ''وحی الٰہی'' منقطع

ہو چکا ہے، لہٰذا کسی کلمہ گو کے بارے میں فتویٰ تکفیر سے تب تک احتراز ہو گا جب تک کفر بواح نہ کرے۔

یاد رہے کہ لفظ "الکافر" قرآن مجید کی ایک اصطلاح ہے، جو صرف ان کے اوپر چسپاں ہے جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔

اور اگر کسی نے اسلام قبول کرنے کے بعد کفرِ بواح کا ارتکاب کیا، تو اس کے لیے حدیث میں ''ارتداد اور مرتد'' کی اصطلاح ہے۔

اسی طرح اگر کسی نے اسلام کو بظاہر قبول کیا اور اپنے کفر کو چھپائے رکھا یعنی کفر بواح نہیں کیا، تو اس کے لیے ''نفاق اور منافقین'' کے الفاظ ہیں۔

اس وضاحت سے مقصود یہ ہے کہ صرف لفظ "الکافر" کے ظاہری معنی لے کر امتِ مسلمہ میں تکفیر کی مشین نہ چلا دی جائے۔ اس کی اصطلاح، سیاق و سباق، اقسام اور موانع کا بہر صورت اعتبار لازم ہے۔ بعض لوگ جو مذہبی تعصب و عناد اور غیر معتدل رویہ یا ماحول سے تربیت پاتے ہیں، وہ کافر کو کافر کہنا، کے جواز سے '' کافر کافر فلاں کافر'' کا نعرہ اپنا تنظیمی یا مذہبی شعار بنا لیتے ہیں، اسی طرح موانع کفر کا اعتبار کیے بغیر تکفیر و خارجیت کے شجر خاردار کی نشو و نما کرتے ہیں، ایسے لوگوں نے ہی ہر دور میں امتِ مسلمہ کے جسد واحد اور قوت واخوت اسلام کو پارہ پارہ کیا اور نا قابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔

کافر کون ہے؟ (قرآن مجید کی روشنی میں):

❁ ابلیس پہلا کافر ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ ۫ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [البقرة : ٣٤]

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس، اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں سے ہو گیا۔''

❁ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں یا بعض رسولوں کا انکار کرنے والے کافر ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ [النساء: ۱۵۰، ۱۵۱]

''بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کوئی راستہ اختیار کریں۔ یہی لوگ حقیقی کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

اس آیتِ کریمہ کے تحت کفار و مشرکین کے تمام مذاہب کافر ٹھہرتے ہیں، مثلاً: مجوس، ہنود اور سکھ وغیرہ۔

❁ یہودی کافر ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ [الحشر: ۲]

''وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے ان لوگوں کو جنھوں نے کفر کیا پہلے اکٹھ ہی میں ان کے گھروں سے نکال باہر کیا۔''

اس آیت کریمہ میں بنونضیر یہودی قبیلہ مراد ہے، جن کی بار بار بدعہدیوں کے باعث انھیں مدینہ منورہ سے نکالا گیا۔

❁ عیسائی کافر ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾
[المائدة : ١٧]

''بلاشبہ یقیناً وہ لوگ کافر ہوگئے جنھوں نے کہا کہ بے شک اللہ مسیح ہی تو ہے، جو مریم کا بیٹا ہے۔''

❁ (اعتقادی) منافق کافر ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾ [التوبة : ٤٩]

''اور ان میں سے بعض وہ ہے جو کہتا ہے مجھے اجازت دے دے اور مجھے فتنے میں نہ ڈال۔ سن لو! وہ فتنے ہی میں تو پڑے ہوئے ہیں اور بے شک جہنم کافروں کو ضرور گھیرنے والی ہے۔''

❁ مرتد کافر ہیں:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ﴾ [البقرة : ٢١٧]

''اور تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے، پھر اس حال میں مرے کہ وہ کافر ہو تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوگئے۔''

''موالاتِ کفر'' کی شرعی حیثیت:

اہل کفر سے موالات و تعلقات کا مسئلہ اسلامی اعتقادات میں سے ہے، جسے شرعی اصطلاح میں ''الولا و البراء'' کا نام دیا جاتا ہے۔

الولاء: الولی سے ہے، جس کا معنی محبت اور مدد کرنا ہے۔

البراء: بریٔ سے ہے، جس کا معنی بغض اور دشمنی رکھنا ہے۔

شرعی اعتبار سے الولاء کا مفہوم ہے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مسلمانوں سے محبت کرنا اور مسلمانوں کی مدد اور تعاون کرنا۔ ''البراء'' کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مسلمانوں کے دشمنوں سے بغض اور دشمنی رکھنا۔

قرآن وسنت میں اس عقیدہ کی اہمیت بڑے شد و مد سے بیان کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ﴾

[آل عمران : ۲۸]

''ایمان والے مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بنائیں اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کی طرف سے کسی چیز میں نہیں مگر یہ کہ تم ان سے بچو، کسی طرح بچنا۔''

یہ آیتِ کریمہ ''موالاتِ کفر'' کے مسئلہ میں اساسی حیثیت کی حامل ہے، اس میں جہاں اہل کفر سے قلبی و عملی تعلقات وموالات کی دوٹوک انداز میں ممانعت بیان کی گئی ہے، وہاں ﴿اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً﴾ سے اضطراری تعلق کی مستثنیٰ صورت بھی بیان کر دی گئی ہے۔

اضطراری موالات کئی طرح کے ہو سکتے ہیں، مثلاً:

① اہلِ کفر سے خائف ہو کر دوستی کا اظہار کرنا، اس کی دلیل یہی آیت کریمہ ہے۔

② کسی حکمتِ عملی کے تحت دوستی کا باور کرانا، اس کی دلیل کعب بن اشرف ''طاغوت الیہود'' کو قتل کرنے کی غرض سے اس کو اعتماد دلانے کے لیے سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اظہار ولایت کیا۔ [دیکھیے، مسلم : ۱۸۰۱]

③ کسی دنیوی مفاد کی غرض سے ظاہری تعلق و تعاون کا اعتماد دلایا جائے، جیسے سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے مشرکینِ مکہ کو خط لکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی آمادگی کی اطلاع دی مگر خط پکڑا جانے پر انھوں نے فرمایا کہ میں نے یہ کام کفر وا رتداد کی

وجہ سے نہیں بلکہ اپنے اقرباء سے مشرکین کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے کیا ہے۔
[بخاري : ٤٢٧٤]

مذکورہ بالا صورتوں میں اہلِ کفر سے موالات وتعلقات اور تعاون پر تکفیر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا، ہاں البتہ اگر کوئی آزادانہ طور پر اہل کفر سے دلی محبت رکھتا ہے تو یہ کفر اکبر کی صورت ہے کہ اس نے اسلام کے اساسی عقیدہ ''الولاء والبراء'' کو پامال کیا ہے۔

❁ پس تعلقات کے اعتبار سے اہل کفر کی تقسیم دو طرح ہے:

① غیر حربی کافر۔

② حربی کافر۔

① غیر حربی کافر:

ایسا کافر جس سے جنگ وقتال درست نہیں بلکہ حسن سلوک کا حکم ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾

[الممتحنة : ٨]

''اللہ تمھیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جنھوں نے نہ تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور نہ تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا کہ تم ان سے نیک سلوک کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

غیر حربی کافروں کی تفصیل درج ذیل ہے:

(ا) کافر ومشرک والدین:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ [العنكبوت : ٨]

''اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کی ہے اور اگر وہ تجھ پر زور دیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے جس کے بارے میں تجھے کوئی علم نہیں تو ان کا کہنا مت مان۔''

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ قریش کا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد و معاہدہ تھا تو میرے پاس میری والدہ آئی جو کہ مشرکہ تھی، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! میری والدہ مجھ سے ملنا چاہتی ہے کیا میں اس سے صلہ رحمی کروں؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((نَعَمْ صِلِي أُمَّكِ)) [مسلم : ١٠٠٣] ''ہاں اس سے صلہ رحمی کر۔''

(٢) کافر رشتہ دار:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ﴾ [القصص : ٥٦]

''بے شک تو ہدایت نہیں دیتا جسے تو دوست رکھے اور لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔''

③ ذمی معاہد کافر: سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَ إِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا)) [بخاري، كتاب الجزية و الموادعة، باب اثم من قتل...... : ٣١٦٦]

''جس نے کسی معاہد (ذمی) کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہیں پا سکے گا اور بے شک اس (جنت) کی خوشبو چالیس سال کی مسافت تک پائی جاتی ہے۔''

مگر خوارج ذمی و معاہد کے خون کو مباح سمجھتے تھے۔ [مستدرك حاكم : ١٥٢/٢]

④ کلمہ گو کافر: جیسے عبداللہ بن ابی منافق تھا۔

⑤ دوران جنگ لڑائی میں حصہ نہ لینے والے کفار و مشرکین کو قتل کرنا منع ہے:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

« وُجِدَتِ امْرَأَةٌ مَقْتُولَةٌ فِي بَعْضِ مَغَازِي رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَهَىٰ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَ الصِّبْيَانِ » [بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب قتل النساء في الحرب: ٣٠١٥]

''ایک جنگ میں نبی کریم ﷺ نے قتل کی گئی عورت دیکھی تو آپ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرما دیا۔''

⑥ اگر کوئی کافر، مسلمانوں سے حسن سلوک کرے تو اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا جائے:

سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

« أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أُسَارَىٰ بَدْرٍ لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ ابْنُ عَدِيٍّ حَيًّا ثُمَّ كَلَّمَنِي فِي هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى لَتَرَكْتُهُمْ لَهُ » [بخاري، كتاب فرض الخمس، باب ما منّ النبي ﷺ ...... : ٣١٣٩]

''نبی کریم ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے متعلق فرمایا: اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور مجھ سے ان بد بو دار قیدیوں کو رہا کرنے کی درخواست کرتا، تو اس کی خاطر میں ان قیدیوں کو رہا کر دیتا۔''

اس کا پس منظر یہ ہے کہ مطعم بن عدی مشرک تھا، جب آپ ﷺ کو طائف والوں نے زخمی کیا تو اس نے آپ ﷺ کو پناہ دی تھی، اس کے احسان کو یاد رکھتے ہوئے آپ ﷺ نے یہ الفاظ بیان فرمائے۔

⑦ مصیبت میں مبتلا کافر کی مدد کرنے پر بھی اجر وثواب ہے:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی سفر پر جا رہا تھا اسے پیاس لگی، وہ ایک کنویں میں اترا، پانی پی کر باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی وجہ سے کیچڑ چاٹ رہا ہے، وہ دوبارہ کنویں میں اترا، اپنا جوتا پانی سے بھرا اور اسے منہ میں تھام کر باہر نکلا اور کتے کو پانی پلایا، تو

اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کی قدر افزائی فرمائی اور اس کو بخش دیا۔صحابہ نے دریافت کیا:

« يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَ إِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرٌ؟ فَقَالَ: فِيْ كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ » [بخاري،كتاب المساقاة، باب فضل سقي الماء : ٢٣٦٣]

''اے اللہ کے رسول! کیا جانوروں کے ساتھ حسن سلوک میں بھی اجر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر زندہ (ذی روح) کے ساتھ حسن سلوک پر اجر ہے۔''

② حربی کافر:

جن سے جنگ وقتال مشروع بلکہ بعض اوقات واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ [البقرة : ١٩٠]

''اور اللہ کے راستے میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی مت کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔''

ضوابط التکفیر اور موانع کفر

(یعنی فتویٰ تکفیر میں احتیاطیں)

مسلمانوں کو کافر قرار دینے سے روکنے والی چیزیں ''موانع کفر'' کہلاتی ہیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

① ''الإکراہ'' (مجبوری) اور نیت کا اعتبار کرنا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ [النحل: ١٠٦]

''جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے اپنے ایمان کے بعد، سوائے اس کے جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو اور لیکن جو کفر کے لیے سینہ کھول دے تو ان لوگوں پر اللہ کا بڑا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

اس آیت کے شان نزول میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قریش کو دعوتِ اسلام دی، تو انھوں نے کمزور مسلمانوں پر ظلم و جبر کے پہاڑ توڑے۔ سیدنا بلال، خباب، عمار، یاسر اور ان کی بیوی سمیہ رضی اللہ عنہم کو کفر کی طرف لوٹنے پر مجبور کیا جاتا، لیکن انھوں نے ان کے جبر کو قبول نہ کیا اور ایمان پر ثابت قدم رہے۔ ایک دفعہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے جان بچانے کے لیے ان کے سامنے کلمۂ کفر کہہ دیا۔

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

« مَا لَكَ أَخَذَكَ الْكُفَّارُ فَغَطُّوكَ فِي الْمَاءِ فَقُلْتَ كَذَا وَ كَذَا فَإِنْ عَادُوا لَكَ فَقُلْ كَمَا قُلْتَ » [سيرة ابن إسحاق : ١٧٢/٤، ح : ٢٤١]

''کیا ہے کہ کافروں نے تجھے پکڑا اور انھوں نے تجھے پانی میں غوطے دیے پھر تم نے اس اس طرح کہا (یعنی کلمۂ کفر) پس اگر وہ تیرے ساتھ اس طرح دوبارہ کریں تو تم بھی اسی طرح کرنا۔''

مفسرِ قرآن حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

اہلِ علم کا اجماع ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے اور وہ جان بچانے کے لیے قولاً یا فعلاً کفر کا ارتکاب کرے جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو وہ کافر نہیں ہوگا، نہ اس کی بیوی اس سے جدا ہوگی اور نہ اس پر دیگر احکام کفر لاگو ہوں گے۔ (تفسیر احسن البیان)

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب بن اشرف یہودی کو قتل کیا۔ اس واقعہ کی تفصیل (صحیح مسلم: ۱۸۰۱) میں ہے۔ کعب بن اشرف یہودی کو دھوکا دینے کے لیے، تاکہ اس کا قتل آسان ہو جائے، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے چند ایسے الفاظ ادا کیے جو بظاہر کفر اور نفاق پر مبنی تھے، لیکن انھیں کفر قرار نہیں دیا گیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی تھی، کیونکہ ان میں قلبی اطمینان اور نیت کا اعتبار کیا گیا تھا۔

اسی طرح سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا مشرکین مکہ کی طرف خط لکھنا اور انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی آمادگی کی اطلاع دینا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اطلاع دی گئی تو آپ نے حاطب بن ابی بلتعہ سے فرمایا: تو نے یہ کیا کیا؟ تو انھوں نے جواب دیا: اللہ کے نبی میرے معاملہ میں جلدی نہ کیجیے: "وَلَمْ أَفْعَلْهُ ارْتِدَادًا عَنْ دِيْنِيْ، وَلَا رِضًا بِالْكُفْرِ بَعْدَ الْإِسْلَامِ" میں نے یہ کام ارتداد یا اسلام لانے کے بعد کفر پر راضی ہو کر نہیں کیا بلکہ میں نے قریش پر احسان کی نیت سے کیا تاکہ وہ میرے اہل وعیال کی حفاظت

کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((صَدَقَ)) اس نے سچ کہا......

[بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الفتح: ٤٢٧٤]

رسول اللہ ﷺ کے راز کو فاش کرنا اور خیانت کرنا بظاہر کفر ہے، اسی لیے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دینی حمیت کے پیشِ نظر سیدنا حاطب کو منافق کہہ کر قتل کرنے کی اجازت چاہی مگر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حاطب کی نیت کا نہ صرف اعتبار کیا، بلکہ تصدیق کی اور ان پر تکفیر و قتل کا حکم صادر نہیں فرمایا۔

② اقسام کفر ملحوظ رکھنا:

کفر کی اقسام پر لغوی و اصطلاحی تعریفات اور "ماله و ما عليه" کا جائزہ لیے بغیر صرف لفظ ''کفر'' وارد ہونے سے ہی فتویٰ تکفیر صادر نہیں کر دیا جاتا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ﴾ [الحديد: ٢٠]

''جس سے اگنے والی کھیتی نے کاشت کاروں کو خوش کر دیا۔''

آیت کریمہ میں ''اَلْكُفَّارُ'' سے کسان یعنی کھیتی باڑی کرنے والے مراد ہیں۔

اب تکفیریوں کی طرح صرف لفظ ''کفر'' کا ظاہر المعنی مراد لیا جائے تو اس فتویٰ تکفیر کی زد میں کون کون آئے گا، اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

بہرحال ''كفر دون كفر'' محدثین کے نزدیک ایک اصطلاح ہے، جس کا اعتبار بہرصورت لازم ہونا چاہیے، اس کی بہت سی مثالیں کتاب و سنت میں موجود ہیں:

ا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَ قِتَالُهُ كُفْرٌ))

[بخاري، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن...... : ٤٨]

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے ایامِ حج کے دوران ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

((لَا تَرْجِعُوا بَعْدِيْ كُفَّارًا، يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ))

[بخاري، كتاب الحج، باب الخطبة أيام منى : ١٧٣٩]

''میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔''

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« لَيْسَ مِنْ رَجُلٍ ادَّعَى لِغَيْرِ أَبِيهِ وَ هُوَ يَعْلَمُهُ إِلَّا كَفَرَ »

[مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حلال إيمان…… : ٦١]

''جو شخص جانتے ہوئے اپنے باپ کے علاوہ (کسی اور کی طرف) نسبت کرے تو اس نے کفر کیا۔''

۴۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« اِثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَابِهِمْ كُفْرٌ: الطَّعْنُ فِي النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ » [مسلم،كتاب الإيمان، باب إطلاق إسم الكفر…… : ٦٧]

''لوگوں میں دو باتیں پائی جاتی ہیں جو کفر ہیں، نسب میں طعن کرنا اور میت پر نوحہ کرنا۔''

۵۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« أَيُّمَا عَبْدٍ أَبَقَ مِنْ مَّوَالِيهِ فَقَدْ كَفَرَ »

[مسلم، كتاب الإيمان، باب تسمية العبد الآبق كافرا : ٦٨]

''جو غلام اپنے مالکوں سے بھاگ جائے، تو بلاشبہ اس نے کفر کیا۔''

یہ چند مثالیں ہیں جن میں لفظ ''الکفر'' وارد ہوا ہے، مگر اس کفر سے خروج از اسلام اور ارتداد مراد نہیں لیا گیا یعنی ''کفر دون کفر ہے''، ظاہری معنی مراد نہیں۔

مندرجہ بالا روایات کی تفصیل کے لیے ''شرح مسلم للنووی'' ملاحظہ کیجیے۔

پس تفسیر کے لیے لفظ '' الکفر '' کے لغوی اور اصطلاحی معنی کی اقسام کا لحاظ رکھنا ہر مفتی پر واجب ہے۔

③ کبائر کی وجہ سے تکفیر میں احتراز کرنا:

ایک مسلمان کو محض کبیرہ گناہ کے سبب دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا متفقہ موقف ہے کہ کبائر کے ارتکاب سے مسلمان گناہ گار، فاسق و فاجر

کہلائے گا، اس کی تکفیر کرنا درست نہیں، البتہ نصوص قطعیہ اور ضروریات دین کا انکار کرنا کفر ہے، مثلاً ختم نبوت کے اجماعی عقیدے کا انکار اور قطعی الثبوت معصیت کو حلال جاننا وغیرہ۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤی اِثْمًا عَظِیْمًا ﴾ [النساء : ٤٨]

''بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور وہ بخش دے گا جو اس کے علاوہ ہے، جسے چاہے گا اور جو اللہ کا شریک بنائے تو یقیناً اس نے بہت بڑا گناہ گھڑا۔''

❁ سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« أَتَانِيْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَبَشَّرَنِيْ أَنَّهُ مَنْ مَّاتَ مِنْ أُمَّتِكَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَ إِنْ زَنٰى وَ إِنْ سَرَقَ؟ قَالَ وَ إِنْ زَنٰى وَ إِنْ سَرَقَ » [مسلم، كتاب الإيمان، باب الدليل على من مات...... : ٩٤]

''سیدنا جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے بشارت دی کہ جو کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے اس حال میں فوت ہوا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔ میں نے عرض کیا، اگر چہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر چہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔''

❁ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

« لَا يَزْنِي الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَايَشْرَبُ الْخَمْرُ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ »

[مسلم، كتاب الإيمان، بيان نقصان الإيمان...... ٥٧]

''جب زانی زنا کر رہا ہوتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا، جب چور چوری کر رہا ہوتا

ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا، جب شرابی شراب پی رہا ہوتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔''
امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ''الفقه الأكبر (ص ٦٣)'' میں ہے:
" ولا نكفر مسلما بذنب من الذنوب و إن كانت كبيرة إذا لم يستحلها ولا نزيل عنه إسم الإيمان و نسميه مؤمنا حقيقة و يجوز أن يكون مومنا فاسقا غير كافر "
''اور ہم کسی بھی گناہ کے سبب مسلمان کو کافر قرار نہیں دیتے، خواہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہی کرے جب تک وہ اسے حلال نہ سمجھے اور ہم اس سے ایمان کے اسم کو زائل نہیں کرتے اور ہم اسے حقیقی مومن کہتے ہیں، اور جائز ہے کہ ایک مومن فاسق ہو، کافر نہ ہو۔''

- حدیث میں ہے کہ ایک شرابی کو حد لگائی گئی تو ایک آدمی نے غصے میں اسے بددعا دی کہ اللہ تعالیٰ تجھے رسوا کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لَا تَكُونُوا عَوْنَ الشَّيْطَانِ عَلَى أَخِيكُمْ »
[بخاري، كتاب الحدود، باب الضرب الجريد و النعال: ٦٧٨١]
''تم اپنے بھائی کے خلاف شیطان کی مددمت کرو۔''

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« مَامِنْ عَبْدٍ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، ثُمَّ مَاتَ عَلَى ذٰلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَ إِنْ زَنٰى وَ إِنْ سَرَقَ » [بخاري، كتاب اللباس، باب الثياب البيض : ٥٨٢٧]
''جس بندہ نے بھی کلمہ پڑھا اور پھر اسی پر فوت ہوا تو جنت میں داخل ہوگا، خواہ اس نے زنا کیا ہو یا چوری۔''
صحیح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ گناہ گار موحدین کو بالآخر جہنم سے نکال لیا جائے گا۔[بخاري : ١٨۔ فتاویٰ اسلامیه : ٤٣/١]
کبائر کی وجہ سے کسی مسلمان کی تکفیر نہیں کرنی چاہیے ائمہ سلف کا یہی موقف ہے۔ مثلاً:

① امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو تو کبائر کے ارتکاب کے باوجود جنت میں جائے گا۔[حلية الأولياء لأبي نعيم : ٣٢٥/٦]

② امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل السنۃ کا اتفاق ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ایمان سے خارج نہیں ہوتا، جب تک وہ اس کا اعتقاد نہ رکھے، یعنی اس گناہ کو حلال نہ جانے۔
[شرح السنة ١٠٣/١]

③ ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''تمام اہل السنۃ متفق ہیں کہ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں۔''[شرح العقيدة الطحاوية]

④ لاعلمی کا اعتبار کرنا:

❁ قرآن مجید میں عذاب کے سلسلہ میں یہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ [بني إسرائيل : ١٥]

''اور ہم کبھی عذاب دینے والے نہیں، یہاں تک کہ کوئی پیغام پہنچانے والا بھیجیں۔''

❁ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَ عَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ، وَ عَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يَعْقِلَ »

[أبوداوٗد، كتاب الحدود،باب في المجنون يسرق......٤٤٠٣]

''تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے، سوئے ہوئے سے حتیٰ کہ بیدار ہو جائے، بچے سے یہاں تک کہ بالغ ہو جائے اور مجنون سے یہاں تک کہ عقل مند ہو جائے۔''

❁ بنی اسرائیل کا وہ شخص جس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ مجھے مرنے کے بعد جلا دیا جائے۔[بخاري، كتاب أحاديث الانبياء، باب : ٣٤٧٨]

❁ ذات انواط، بنانے کا مطالبہ کرنا۔ (مکمل واقعہ)

[ترمذي، كتاب الفتن، باب ما جاء لتركبن سنن......٢١٨٠]

❁ امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب قائم کیا ہے:

" باب قتل الخوارج والملحدين بعد إقامة الحجة عليهم "

[بخاري : قبل الحديث: ٦٩٣٠]

باب: خارجیوں اور بے دینوں پر دلیل قائم کرنے کے بعد ان کو قتل کرنا۔

تنبیہ: اگرچہ بعض اہلِ علم عقائد و ایمانیات میں لاعلمی کا عذر تسلیم نہیں کرتے، لیکن اکثر علماء نے جہالت کے عذر کو تسلیم کیا ہے۔ یہی موقف باعتبار دلائل وزنی ہے اور تکفیر کے مسئلہ میں احتیاط کا پہلو بھی اسی چیز کا تقاضا کرتا ہے۔

⑤ بے اختیاری یا سبقت لسانی:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ [الأحزاب : ٥]

''اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جس میں تم نے خطا کی اور لیکن جو تمھارے دلوں نے ارادے سے کیا اور اللہ ہمیشہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

❁ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا:

« إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَلِيْ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ، وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ » [ابن ماجه، كتاب الطلاق، باب طلاق المكره والناسي : ٢٠٤٣۔ سنن الكبرىٰ للبيهقي : ٣٥٧/٧۔ مستدرك حاكم : ١٩٨/٢، ح : ٢٨٠١]

''اللہ نے میری خاطر میری امت کو غلطی، بھول، اور وہ کام معاف کر دیے ہیں، جن پر انھیں مجبور کیا گیا ہو۔

❁ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لِلّٰهِ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِيْنَ يَتُوْبُ إِلَيْهِ، مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ بِأَرْضِ فَلَاةٍ، فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ، وَ عَلَيْهَا طَعَامُهُ وَ شَرَابُهُ، فَأَيِسَ

مِنهَا فَأَتَى شَجَرَةً، فَاضُطَجَعَ فِيُ ظِلِّهَا، قَدُ أَيِسَ مِنُ رَاحِلَتِهِ، فَبَيُنَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذُ هُوَ بِهَا، قَائِمَةً عِنُدَهُ، فَأَخَذَ بِخِطَامِهَا، ثُمَّ قَالَ مِنُ شِدَّةِ الُفَرُحِ:اللّٰهُمَّ! أَنُتَ عَبُدِيُ وَ أَنَا رَبُّكَ، أَخُطَأَ مِنُ شِدَّةِ الُفَرُحِ »

[مسلم، كتاب التوبة، باب في الحض على التوبة : ٢٧٤٧]

''جب اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے، جب تم میں سے کوئی ایک جنگل میں اپنی سواری پر جائے اور سواری اس سے گم ہو جائے جس پر اس کا کھانا پینا بھی تھا، پس وہ مایوس ہو کر ایک درخت کے نیچے آجائے اور اس کے سائے میں لیٹ جائے (اور سو جائے جب اس کی آنکھ کھلے)، تو اچانک وہ سواری اس کے پاس موجود ہو، وہ اس کی مہار پکڑ کر خوشی کی شدت سے یہ کہے: اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں، اس نے خوشی کی شدت سے خطا کی۔''

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس مومن کی غلطی سے خود کو رب اور رب کو بندہ کہنے کو (جو کہ کفر ہے) کفر قرار دے کر اس کی مذمت نہیں فرمائی، بلکہ اس کے عذر کی وضاحت اس طرح فرما دی کہ اس نے غلطی سے، یعنی فرطِ مسرت میں ایسا کہا ہے۔

❁ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« إِذَا حَكَمَ الُحَاكِمُ فَاجُتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجُرَانِ ، وَ إِذَا حَكَمَ فَاجُتَهَدَ ثُمَّ أَخُطَأَ فَلَهُ أَجُرٌ » [بخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب أجر الحاكم......: ٧٣٥٢]

''جب حاکم (قاضی) کوئی فیصلہ کرے اور اجتہاد کر کے صحیح بات پر پہنچ جائے تو اسے دہرا اجر ملے گا اور جب فیصلہ کرے لیکن اجتہاد کرنے میں غلطی ہو جائے تو اسے ایک اجر ملے گا۔''

❁ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَأْنَا﴾ [البقرة : ٢٨٦]

''اے ہمارے رب! ہم سے مؤاخذہ نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں۔''

⑥ اجتہاد کے انکار پر تکفیر درست نہیں:

جس مسئلہ میں علمائے مجتہدین کا اختلاف ہو اس میں تکفیر نہیں کی جائے گی۔ موجب کفر وہی امر ہوسکتا ہے جس کے موجب کفر ہونے پر اجماع ہو۔

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" لا يكفر منكر الاجتهاديات بالإجماع "

[عمدة القاري شرح صحيح البخاري : ١٧٣/١]

''اجتہادی مسائل کے منکر کی بالاتفاق تکفیر نہیں کی جائے گی۔''

ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" منكر الاجتهاديات لا يكفر إجماعًا " [شرح الفقه الأكبر ص : ٨٦]

''اجتہادی مسائل کا منکر بالاجماع کافر نہیں ہوگا۔''

⑦ اختلاف نظائر اور تاویل کی موجودگی میں تکفیر سے احتراز:

اصول یہ ہے کہ کسی شخص کی بھی ایسے لفظ کی بنیاد پر تکفیر نہیں کی جائے گی جو اپنے اندر احتمال رکھتا ہو۔

لہٰذا اگر کسی مسلمان کے قول یا فعل سے اچھا پہلو اور معنی مراد لیا جاسکتا ہو تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں باب قائم کیا ہے:

" باب من أكفر أخاه من غير تأويل فهو كما قال "

[بخاري، كتاب الأدب، باب : ٧٣]

''جو شخص اپنے بھائی کو بغیر تاویل، کافر کہے وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔''

ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"و فیه أن المسئلة إذا كانت مختلفًا فيها لا يجوز تكفير مسلم بها"

[شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۷۷]

"بے شک جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو اس کی وجہ سے کسی مسلمان کی تکفیر جائز نہیں۔"

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ایک شخص بہت گناہ گار تھا، جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ مرنے کے بعد اسے جلا دینا، ہڈیوں کو پیس کر ہوا میں اڑا دینا۔ اللہ کی قسم! اگر میرے رب نے مجھے پکڑ لیا تو مجھے اتنا سخت عذاب دے گا جو پہلے کسی کو بھی نہیں دیا گیا ہو گا، اس کے فوت ہونے کے بعد اس کے بیٹوں نے وصیت کے مطابق ہی کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اس کا ایک ذرہ بھی کہیں ہو تو اسے جمع کر کے لا، زمین حکم بجا لائی، تو رب تعالیٰ نے اسے کھڑا کیا اور دریافت کیا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کی: اے اللہ! تیرے ڈر کی وجہ سے، تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔

[بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب: ۳٤۸۱]

⑧ تکفیر میں مصالح اور مفاسد کا اعتبار ضروری ہے:

غزوۂ مریسیع کے موقع پر جب انصار اور مہاجرین کے مابین جھگڑا ہوا تو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبی بد بخت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین صحابہ کے متعلق کہا: " لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ" (تو جو زیادہ عزت والا ہے وہ اس میں سے ذلیل تر کو ضرور ہی نکال باہر کرے گا۔)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت فرمایا:

«يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْنِيْ أَضْرِبْ عُنُقَ هَذَا الْمُنَافِقِ»

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اجازت دیجیے، اس منافق کی گردن اڑا دوں۔"

تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« دَعْهُ، لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ »

''(اے عمر!) اس کو چھوڑ دے لوگ یہ کہنا شروع نہ کر دیں کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔''

[بخاري، كتاب التفسير، باب قوله ﴿سواء عليهم استغفرت لهم﴾ : ٤٩٠٥]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن اُبی منافق کے کفرِ صریح کے باوجود، محض اس مصلحت کے پیش نظر کہ کہیں منافقین کو پروپیگنڈا کا موقع نہ مل جائے، قتل نہیں کیا۔ بظاہر کلمہ پڑھنے والے منافقین کو قتل کرنے سے امتِ مسلمہ کے اندر قتل و غارت کا دروازہ کھل سکتا ہے، لہٰذا سد باب اور سد ذرائع کے طور پر قتل نہ کرنا بھی نبی کریم ﷺ کی ایک مصلحت معلوم ہوتی ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا منافق کو قتل کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ سے اجازت لینا، اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ارتداد کی سزا اور حدود کا نفاذ صرف اسلامی خلیفہ کی ذمہ داری ہے، از خود ہر شخص، کسی کو بزعم خود منافق یا کافر قرار دے کر قتل نہیں کر سکتا۔

اسلامی خلیفہ کی عدم موجودگی میں کلمہ گو کے بارے دعوت و اصلاح پر ہی اکتفا کیا جائے گا۔ عبد اللہ بن اُبی منافق جس کا کفر ظاہر ہو چکا تھا، یہاں تک کہ اس کے نفاق اور کفر کا پول کھولنے کے لیے آیات قرآنیہ کا نزول بھی ہوا۔

[دیکھیے سورۂ توبة : ٦٠۔ ٧٤۔ سورۂ منافقون : ٥]

اس قدر کفرِ صریح کے مرتکب منافق کو کسی شرعی مصلحت یا دفعِ مفاسدت کے پیش نظر قتل نہ کرنا، اس کی تکفیر سے احتراز برتنا، بہرحال ہمارے لیے نبی کریم ﷺ کا یہ طرز عمل ایک اسوہ اور شرعی نمونہ ہے۔

خصوصاً عصرِ حاضر میں، کیونکہ آج کسی کا نفاق ظاہر کرنے کے لیے کوئی آلہ و پیمانہ نہیں ہے۔ دورِ نبوت میں تو وحی کے ذریعہ منافقین کے باطن کو ظاہر کیا جاتا تھا، آج تو ایسا

کوئی قطعی ذریعہ موجود نہیں، اِلا یہ کہ کفرِ بواح اور اسلام کی اساسیات کے انکار کا علی الاعلان اظہار و اقرار کرے۔

⑨ تکفیرِ معین میں ہر ممکنہ حد تک احتیاط کی جائے:

کسی فردِ معین کی تکفیر سے ہر ممکنہ حد تک احتراز کیا جائے، جب تک تمام علمائے اسلام اس کے کفر پر متفق نہ ہوں، جیسے مرزا غلام احمد قادیانی کی تکفیر متفق و مسلّم ہے۔

محض شک کی بنا پر تکفیر درست نہیں، اسی طرح لاعلمی اور جلد بازی میں بھی کسی شخص پر فتویٔ تکفیر نہ لگایا جائے، بلکہ اگر کسی نے شک، لاعلمی یا جلد بازی سے کام لے کر کسی شخص کو کافر کہا، تو اسے توبہ و استغفار کرنی چاہیے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« لَا یَرۡمِيۡ رَجُلٌ رَجُلاً بِالۡفُسُوۡقِ، وَلَا یَرۡمِیۡهِ بِالۡکُفۡرِ اِلَّا ارۡتَدَّتۡ عَلَیۡهِ إِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ صَاحِبُهٗ کَذٰلِكَ » [بخاري، کتاب الأدب، باب ما نهي من السباب و اللعن : ٦٠٤٥]

''جو آدمی کسی پر فسق یا کفر کی تہمت لگاتا ہے اگر وہ اس طرح نہ ہو تو (یہ بات) کہنے والے پر لوٹ آتی ہے۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے، جو آپس میں بھائی بندی قائم کیے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک عبادت گزار تھا اور دوسرا بہت گناہ گار۔ عبادت گزار ہمیشہ ہی گناہ گار کو گناہ کی حالت میں دیکھتا اور اسے باز آ جانے کا کہتا، ایک دن اس نے گناہ گار کو حالت گناہ میں دیکھ کر باز آنے کا کہا، تو اس گناہ گار نے جواب دیا: آپ میرا اور میرے رب کا معاملہ چھوڑ دیجیے۔ کیا آپ مجھ پر داروغہ مقرر ہوئے ہیں؟ تو عبادت گزار نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تمھیں نہیں بخشے گا، یا اللہ تعالیٰ تجھے جنت میں داخل نہیں کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو فوت کر دیا، دونوں بارگاہ الٰہی میں پیش کیے گئے تو عبادت گزار سے اللہ تعالیٰ نے کہا: تم مجھے جانتے ہو؟ کیا تمھیں معلوم ہے میرے

ہاتھوں میں کتنی قدرت ہے؟ اور پھر گناہ گار سے کہا: جاؤ! میری رحمت سے میری جنت میں داخل ہو جاؤ اور اس عبادت گزار سے کہا: جاؤ! آگ میں چلے جاؤ۔''

[أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في النهي عن البغي: ٤٩٠١]

تکفیر سے متعلق چند ملاحظات:

- کسی مومن کی تکفیر اس وقت کی جائے گی، جب وہ کفریہ اعتقاد رکھے اور اس کا اظہار کرے، جبکہ وہ اس کی حقیقت کو جانتا ہو اور مجبور بھی نہ کیا گیا ہو۔
- اگر کوئی عقیدۂ کفر اپنا لے، یا کلمۂ کفر کہے، یا کفرِ اکبر کی کسی صورت کا مرتکب ہونے کے بعد توبہ کر لے اور دوبارہ اسلام کی طرف لوٹ آئے تو اس کا اسلام اور توبہ قبول ہے، اس پر احکامِ تکفیر لاگو نہیں ہوں گے۔
- حاکم وقت یا قاضی، شریعت مطہرہ کی واضح نصوص کے خلاف فیصلہ کرے یا حکم چلائے تو محض اس وجہ سے وہ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوگا، جب تک وہ اللہ کے احکام کی تکذیب و انکار نہ کرے اور احکام شریعت کے خلاف اعتقاد نہ رکھے، البتہ اس کا یہ غیر شرعی فیصلہ کرنا، شریعت پر ایمان و اعتراف کی شرط کے ساتھ گناہ کبیرہ ضرور ہے۔
- کسی مسلمان کو محض کبائر کے ارتکاب کی وجہ سے کافر قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک وہ اس گناہ کو حلال نہ جانے۔
- مومن کی تکفیر کا مطلب یہ ہے کہ وہ مرتد ہے، اس کا خون مباح، دشمنی واجب، دوستی حرام، نکاح فسخ اور اس کی گواہی نامقبول ہے، وراثت سے محروم کر دیا جائے گا، اس کو مرنے کے بعد غسل، کفن، جنازہ اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا۔

اس لیے تکفیر کا فتویٰ دینے سے قبل بہت سی احتیاطیں ملحوظ رکھنا ضروری ہیں، تاویل کی موجودگی میں اس کی تکفیر نہ کی جائے، اجتہادیات کے انکار پر تکفیر نہ کی جائے، محض وہم و گمان اور شک وشبہ کی وجہ سے تکفیر نہ کی جائے اور موانع کفر کا بہر صورت اعتبار کیا جائے۔ کیونکہ کسی بے گناہ کو کافر کہنے کا وبال خود کہنے والے پر آتا ہے۔

مسئلۂ تکفیر (علمائے امت کے اقوال کی روشنی میں):

❁ ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" لا يخرج العبد من الإيمان إلا بجحود ما أدخله فيه "

[العقيدة الطحاوية ص : ٢٧]

''بندے کو ایمان سے اسی چیز کا انکار خارج کرتا ہے جس نے اس کو ایمان میں داخل کیا تھا۔''

❁ امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" و في الشرح إنكار ما علم بالضرورة مجيئ الرسول صلى الله عليه و سلم " [تفسير البيضاوي : ٢١٨/١]

''اور شرح میں کفر اس چیز کے انکار کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا ضروری طور پر معلوم ہو۔''

❁ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منسوب قول ہے:

" ولا نكفر مسلمًا بذنب من الذنوب و إن كانت كبيرة إذا لم يستحلها ولا نزيل عنه إسم الإيمان و نسميه مؤمنا حقيقة و يجوز أن يكون مؤمنا فاسقًا غير كافر "

[الفقه الأكبر ص : ٧٣، منسوب إلى أبي حنيفة]

''ہم کسی مسلمان کی گناہ کے سبب تکفیر نہیں کرتے اگرچہ وہ کبیرہ گناہ ہی ہو، جب تک وہ اس گناہ کو حلال نہ جانتا ہو اور ہم اس سے ایمان کے اسم کو زائل نہیں کرتے اور ہم اسے حقیقی مومن کہتے ہیں اور یہ جائز ہے کہ ایک مومن فاسق ہو، کافر نہ ہو۔''

❁ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو تو کبائر کے ارتکاب کے باوجود جنت میں جائے گا۔ [حلية الأولياء لأبي نعيم : ٣٢٥/٦]

❁ امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل السنۃ کا اتفاق ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ایمان سے خارج نہیں ہوتا، جب تک وہ اس کا اعتقاد نہ رکھے، یعنی اس گناہ کو حلال نہ جانے۔
[شرح السنة ١٠٣/١]

❁ ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''تمام اہل السنۃ متفق ہیں کہ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں۔'' [شرح العقيده الطحاوية]

❁ علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" لا يكفر منكر الإجتهاديات بالإجماع "
[عمدة القاري شرح صحيح البخاري : ١٧٣/١]

''اجتہادی مسائل کے منکر کی بالاتفاق تکفیر نہیں کی جائے گی۔''

❁ ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" منكر الإجتهاديات لا يكفر إجماعًا " [شرح الفقه الأكبر ص : ٨٦]

''اجتہادی مسائل کا منکر بالاجماع کافر نہیں ہوگا۔''

❁ ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" و فيه أن المسئلة إذا كانت مختلفًا فيها لا يجوز تكفير مسلم بها " [شرح الفقه الأكبر ص : ١٧٧]

''بے شک جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو اس کی وجہ سے کسی مسلمان کی تکفیر جائز نہیں۔''

❁ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح البخاری میں باب قائم کیا ہے:

" باب من أكفر أخاه من غير تأويل فهو كما قال "
[بخاري، كتاب الأدب باب نمبر : ٧٣]

''جو شخص اپنے بھائی کو بغیر تاویل، کافر کہے وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔''

مفسرِ قرآن حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

اہلِ علم کا اجماع ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے اور وہ جان بچانے کے لیے قولاً

یا فعلاً کفر کا ارتکاب کرے جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو وہ کافر نہیں ہو گا، نہ اس کی بیوی اس سے جدا ہو گی اور نہ اس پر دیگر احکام کفر لاگو ہوں گے۔ (تفسیر احسن البیان)

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب بن اشرف یہودی کو قتل کیا۔ اس واقعہ کی تفصیل (صحیح مسلم: ۱۸۰۱) میں ہے۔ کعب بن اشرف یہودی کو دھوکا دینے کے لیے، تاکہ اس کا قتل آسان ہو جائے، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے چند ایسے الفاظ ادا کیے جو بظاہر کفر اور نفاق پر مبنی تھے، لیکن انھیں کفر قرار نہیں دیا گیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی تھی، کیونکہ ان میں قلبی اطمینان اور نیت کا اعتبار کیا گیا تھا۔

اسی طرح سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا مشرکین مکہ کی طرف خط لکھنا اور انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی آمادگی کی اطلاع دینا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اطلاع دی گئی تو آپ نے حاطب بن ابی بلتعہ سے فرمایا: تو نے یہ کیا کیا؟ تو انھوں نے جواب دیا: اللہ کے نبی میرے معاملہ میں جلدی نہ کیجیے: "وَلَمْ أَفْعَلْهُ ارْتِدَادًا عَنْ دِيْنِيْ، وَلَا رِضًا بِالْكُفْرِ بَعْدَ الْإِسْلَامِ"، میں نے یہ کام ارتداد یا اسلام لانے کے بعد کفر پر راضی ہو کر نہیں کیا بلکہ میں نے قریش پر احسان کی نیت سے کیا تاکہ وہ میرے اہل وعیال کی حفاظت کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « صَدَقَ » اس نے سچ کہا......

[بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الفتح: ٤٢٧٤]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو فاش کرنا اور خیانت کرنا بظاہر کفر ہے، اسی لیے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دینی حمیت کے پیشِ نظر سیدنا حاطب کو منافق کہہ کر قتل کرنے کی اجازت چاہی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حاطب کی نیت کا نہ صرف اعتبار کیا، بلکہ تصدیق کی اور ان پر تکفیر و قتل کا حکم صادر نہیں فرمایا۔

❁ امام الطحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" و نسمي أهل القبلة مسلمين مؤمنين ما داموا بما جاء به النبي صلى الله عليه وسلم معترفين " [العقيدة الطحاوية ص: ٢٣]

''اور ہم اہل قبلہ کو مسلمان مومن کہتے ہیں جب تک وہ اس کا اعتراف کرتے رہیں جو کچھ نبی کریم ﷺ ساتھ لے کر آئے ہیں۔''

مزید لکھتے ہیں: " ولا نكفر أحدا من أهل القبلة بذنب ما لم يستحله "

[العقيدة الطحاوية ص : ٢٤]

''ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے کسی گناہ کے سبب، جب تک وہ اس کو حلال نہ سمجھے۔''

اور مزید لکھتے ہیں:

"و لا نرى السيف على أحد من أمة محمد إلا من وجب عليه السيف و لا نرى الخروج على أئمتنا وولاة أمورنا و إن جاروا ولا ندعو عليهم ولا ننزع يدا من طاعتهم " [العقيدة الطحاوية : ٧١، ٧٢]

''اور ہم امت محمد میں سے کسی پر تلوار اٹھانے کو جائز نہیں سمجھتے مگر جس پر تلوار اٹھانا واجب ہو اور نہ ہی ہم اپنے ائمہ اور حکومت کے خلاف مسلح خروج جائز سمجھتے ہیں خواہ وہ ظالم و خطا کار ہی ہوں اور نہ ان کے لیے بد دعا اور ان کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لینا جائز سمجھتے ہیں۔''

❁ خلاصہ و ملاحظہ: حافظ عبدالسلام بن محمد ﷾ فرماتے ہیں:

''یہ آیت مسلمانوں کی باہمی جنگ کے بارے میں شرعی فیصلوں کی بنیاد ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کی آپس میں کوئی بڑی لڑائی نہیں ہوئی، چند موقعوں پر جھگڑا ہوا مگر نوبت ہاتھا پائی اور چھڑی جوتے سے آگے نہیں بڑھی۔ ان آیات کی عملی تفسیر اس وقت سامنے آئی جب علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمانوں کی آپس میں لڑائیاں ہوئیں۔ اس وقت چونکہ رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام کثیر تعداد میں موجود تھے، جو قرآن و سنت کا علم بعد میں آنے والے کسی بھی شخص سے زیادہ رکھتے تھے، اس لیے ان کے عمل اور ان کے بیان کردہ احکام سے قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے ایک اسوہ اور ضابطہ مرتب ہو گیا۔ اس طرح یہ جنگیں ناگوار اور نہایت تکلیف دہ ہونے کے باوجود خیر سے خالی نہیں

رہیں، کیونکہ اگر یہ نہ ہوتیں تو اللہ بہتر جانتا ہے کہ بعد میں آنے والے مسلمان آپس کی لڑائیوں میں ایک دوسرے پر کیا کیا ظلم وستم کرتے۔ اس ضابطے کا ضروری خلاصہ یہ ہے:

۱۔ جب لڑنے والے دو گروہ کسی مسلم حکومت کی رعایا ہوں اور عام مسلمان انھیں صلح پر آمادہ نہ کرسکیں تو ان کے درمیان صلح کرانا یا یہ فیصلہ کرنا کہ ان میں زیادتی کرنے والا گروہ کون ہے، پھر طاقت کے ذریعے سے اس کو حق پر مجبور کرنا حکومت کا فریضہ ہے۔

۲۔ لڑنے والے دونوں فریق بہت بڑے طاقت ور گروہ ہوں، یا دو مسلمان حکومتیں ہوں اور دونوں کی لڑائی دنیا کی خاطر ہو تو اس صورت میں اہل ایمان کا کام یہ ہے کہ اس فتنے میں حصہ لینے سے قطعی اجتناب کریں اور دونوں فریقوں کو اللہ کا خوف دلا کر جنگ سے باز رکھنے کی کوشش کرتے رہیں۔

۳۔ مسلم حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے رعایا کا کوئی گروہ اگر اس کے خلاف خروج کرے، تو اس کی کئی قسمیں ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ مسلمانوں کا متفقہ حکمران موجود ہو اور اس کے خلاف خروج کرنے والوں کے پاس خروج کے لیے شرعی دلیل اور حکمران کا کفر بواح یعنی کھلم کھلا کافر ہو جانا موجود نہ ہو، ایسے گروہ کے خلاف حکومت کی جنگ بالاتفاق جائز ہے اور اس کا ساتھ دینا ایمان والوں پر واجب ہے۔ قطع نظر اس سے کہ حکومت عادل ہو یا نہ ہو، کیونکہ عادل نہ ہونے کا بہانہ بنا کر کوئی بھی گروہ کسی بھی وقت حکومت کے خلاف خروج کرسکتا ہے، جس کا نتیجہ افتراق و انتشار اور کفار کو مسلمانوں پر حملے کی جرأت دلانے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

دوسری قسم ظالم حکمران کے خلاف خروج ہے، جس کی امارت جبراً قائم ہوئی ہو اور جس کے امراء فاسق ہوں اور خروج کرنے والا گروہ عدل اور حدود اللہ کی اقامت کے لیے اٹھا ہو اور اس کا ظاہر حال یہ بتا رہا ہو کہ وہ نیک لوگ ہیں۔ اہل سنت کا موقف یہ ہے کہ جس امیر کی امارت ایک دفعہ قائم ہو چکی ہو اور مملکت کا امن و امان اور نظم ونسق اس کے انتظام میں چل رہا ہو اس کے خلاف خروج کرنا حرام ہے، الا یہ کہ وہ کفر بواح کا ارتکاب کرے، یعنی

کھلم کھلا کافر ہو جائے۔ امام نووی نے اس پر اجماع کا ذکر فرمایا ہے۔ بعض لوگ ایسے حکمران کے خلاف خروج کو جائز قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں اور اس سلسلے میں اہل بیت کے بعض خروج کرنے والے حضرات کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں اور بعض فقہاء کا نام بھی لیا جاتا ہے جنھوں نے مسلم حکمرانوں کے خلاف تلوار اٹھانے کو جائز قرار دیا، مگر محدثین اور جمہور فقہاء ان کے اس موقف کو غلط قرار دیتے ہیں، بلکہ اسے یہ موقف رکھنے والوں کے لیے باعث طعن قرار دیتے ہیں کہ "فُلَانٌ كَانَ يَرَى السَّيْفَ" کہ فلاں صاحب مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھانے کو جائز قرار دیتے تھے۔ امام احمد ابن حنبل اور دوسرے محدثین نے حکمرانوں کے بے حد ظلم وستم کے باوجود ان کے خلاف نہ خروج کیا نہ خروج کو جائز رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ پوری تاریخ اسلام پڑھ جائیں کسی خروج کے نتیجے میں مسلمانوں کو تشتُّت و انتشار اور کفار سے جہاد کے رک جانے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا، خواہ حکمران عادل تھا یا ظالم۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے حکمرانوں کے سامنے حق کہنے اور ان کو نصیحت کرنے کی تلقین فرمائی، مگر ان کے خلاف خروج سے سختی کے ساتھ منع فرما دیا۔ چند احادیث ملاحظہ فرمائیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا فَكَرِهَهُ فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ يُفَارِقُ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَيَمُوتُ إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً)) [بخاري، الأحكام، باب السمع والطاعة للإمام ما لكم تكن معصية : ۷۱۴۳] "جو شخص اپنے امیر میں کوئی چیز دیکھے جو اسے بری لگے تو وہ صبر کرے، کیونکہ جو بھی شخص جماعت سے ایک بالشت جدا ہوا پھر فوت ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔" عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ((دَعَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْنَاهُ فَقَالَ فِيمَا أَخَذَ عَلَيْنَا أَنْ بَايَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا وَأَثَرَةٍ عَلَيْنَا، وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللّٰهِ فِيهِ بُرْهَانٌ)) [بخاري، الفتن، باب قول النبي ﷺ سترون بعدي أمور تنكرونها : ۷۰۵۵، ۷۰۵٦] "رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دعوت دی تو ہم نے آپ سے

بیعت کی۔ آپ نے ہم سے جو عہد لیا اس میں یہ تھا کہ ہم نے بیعت کی سننے اور اطاعت کرنے پر، اپنی خوشی اور ناخوشی میں اور اپنی تنگی اور آسانی میں اور اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیے جانے پر بھی اور اس بات پر کہ ہم صاحب امر (حکمران) سے امارت میں جھگڑا نہیں کریں گے، الا یہ کہ تم صریح کفر دیکھو، جس کے متعلق تمھارے پاس اللہ کے ہاں واضح دلیل ہو۔''

۴۔ علی رضی اللہ عنہ کا عمل اپنے خلاف جنگ کرنے والوں کو باغی سمجھنے اور ان سے لڑنے کے باوجود یہ تھا کہ وہ مسلمان ہیں، ان کے زخمیوں کو قتل نہیں کیا جائے گا، ان کے بھاگنے والوں کا پیچھا نہیں کیا جائے گا، ان کے اسیروں کو قتل نہیں کیا جائے گا، ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈی و غلام نہیں بنایا جائے گا، بلکہ ان کی آبرو کی حفاظت کی جائے گی اور ان کا مال غنیمت کے طور پر تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ جنگ جمل اور جنگ صفین میں دونوں فریق ایک دوسرے کو مسلمان سمجھتے اور ایک دوسرے کا جنازہ پڑھتے تھے۔ احکام کی تفصیل اور دلائل کے لیے دیکھیے ''المغنی'' از ابن قدامہ میں ''کِتَابُ قِتَالِ أَهْلِ الْبَغْيِ'' اور دوسری کتب فقہ۔'' [تفسیر القرآن الکریم، الحجرات : ۹]

تکفیر سے محفوظ رہنے کا راستہ منہج سلف کی پیروی ہے:

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ﴾ [النساء : ۱۱۵]

''اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت خوب واضح ہو چکی اور مومنوں کے راستے کے سوا (کسی اور) کی پیروی کرے۔''

اس آیت کریمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ''سبیل المومنین'' کی مخالفت کرنے والے کی سزا جہنم بیان کی گئی ہے۔

''سبیل المومنین'' سے مراد ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم'' کی جماعت ہے، جن لوگوں نے بھی

''سلف صالحین'' کے منہج سے انحراف کیا اور قرآن و حدیث کی تفسیر وتشریح میں عقلی گھوڑے دوڑائے اور اپنی خواہشات کی پیروی کی، تو انھیں انتہائی سنگین نتائج سے دو چار ہونا پڑا۔

اسی طرح تہتر (۷۳) فرقوں والی روایت میں ناجی جماعت کا جو امتیازی وصف بیان کیا گیا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی پیروی میں سلف صالحین یعنی صحابہ کرام کی راہ مستقیم پر گامزن ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ الفاظ بیان فرمائے ہیں:

((مَا أَنَا عَلَيْهِ وَ أَصْحَابِيْ)) [ترمذي، كتاب الإيمان، باب ما جاء في افتراق...... : ٢٦٤١، حسن بشواهده، انظر السلسلة الصحيحة، ح : ١٣٤٨]

''جس منہج پر (آج) میں اور میرے صحابہ ہیں۔''

اسی طرح قرآن مجید کے الفاظ ''سبیل المومنین'' کی وضاحت بھی '' مَا أَنَا عَلَيْهِ وَ أَصْحَابِي'' سے ہوتی ہے اور اس وضاحت کی مطابقت میں حدیث خلفائے راشدین بھی ہے۔ جسے سنن اربعہ میں عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو میرے بعد زندہ رہا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا۔''

((فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ)) [ترمذي، كتاب العلم، باب ما جاء في الأخذ...... : ٢٦٧٦]

''پس تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو پکڑنا لازم ہے۔''

مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ اور احادیث مبارکہ سے ناجی جماعت کی تعریف وعلامت یہ ہے کہ وہ فہم سلف کی بنیاد پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی صحیح تعبیر کرتے ہیں اور اسی منہج پر قائم وگامزن ہیں اور جس آیت یا حدیث کے مفہوم پر سلف متفق ہوں اس سے سر مو انحراف نہ کیا جائے اور جہاں اختلاف ہو وہاں دلیل راجح کو اختیار کر کے عمل کیا جائے اور جو جماعتیں فہم سلف سے ہٹ کر کتاب وسنت کی تفسیر کرنے لگیں وہ گمراہ ہوئیں۔

لہٰذا ایک داعی کو ہمیشہ فکر سلف، اسلوبِ سلف، فہم سلف اور منہج سلف کا لحاظ رکھنا چاہیے، کیونکہ یہی راہ پرامن ہے اور اگر کوئی اسلاف کی راہ سے ہٹ کر اپنی تحقیق وتنقید کو حجت قرار

دینا شروع کر دے اور اسلاف کی تحقیقات و خدمات کو ''منسوخ یا باطل'' کے زمرے میں شمار کرے تو یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ جس سے دعوت کا عمل برسوں پیچھے جا پڑتا ہے اور لوگوں کا دین اور دین داروں سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔

منہج نبوی، دعوت ہے تکفیر نہیں:

اسلام دینِ دعوت ہے، محمد کریم ﷺ داعی الی اللہ بن کر آئے، آپ ﷺ نے نبوت و رسالت کا جو بھی کام کیا، جس سے زمانہ بھر میں انقلاب برپا ہوا۔ اس کی اساس بھی دعوت ٹھہری ہے۔

نبی کریم ﷺ جس دور میں مبعوث ہوئے اور جس قوم کے ساتھ آپ کا واسطہ پڑا، وہ انتہائی ضلالت و گمراہی میں ڈوبی ہوئی تھی، مگر نبی کریم ﷺ نے اس دور اور پُر فتن حالات میں، بگڑے ہوئے معاشرے کی جو اصلاح فرمائی، اس کا ذریعہ بھی دعوت تھی۔

اس کے برعکس موجودہ دور میں دینی حلقوں میں تکفیر کی ایسی روش چلی ہے اور فتنے نے ایسا سر اٹھایا ہے کہ منہجِ نبوی ''دعوت'' کی بجائے'' کفر کفر'' کی گردانیں الاپی جا رہی ہیں، اس سے امت مسلمہ میں ایسا انتشار پیدا ہوا کہ ہر مسلمان کافر ہی نظر آتا ہے، ایک فرقہ، مذہبی اختلاف کی بنا پر دوسرے کو کافر گردانتا ہے، اس تکفیری طرزِ عمل کا سب سے زیادہ نقصان دعوت دین کے عمل کو ہوا۔

ہمیں سمجھنا چاہیے کہ ایک دوسرے کو کافر کہنے سے دعوت کی راہیں مسدود ہو جائیں گی، امتِ مسلمہ کی ترقی، تنزلی میں اور عروج، زوال میں بدل جائے گا اور امتِ مسلمہ دشمنان اسلام سے برسرِ پیکار ہونے کی بجائے باہمی لڑائی اور خانہ جنگی کا شکار ہو جائے گی، جس کا نتیجہ معاشرتی بگاڑ، دینِ حنیف سے دوری، اسلام کی خالص تعلیمات سے بے رغبتی، سنت نبوی سے بے اعتنائی، باہمی انتشار و افتراق، بے مروتی و بے لحاظی اور شخصیت شناسی کی بجائے شخصیت پرستی کی صورت میں بر آمد ہو گا۔ جو کسی بھی صورت میں اُمت مسلمہ کے شایان شان نہیں۔

جب لڑائی اسلام کے باہر ہونے کی بجائے اسلام کے اندر دھکیل دی جائے گی تو سراسر فائدہ عالم کفر کو ہی ہوگا۔ اس دردمندانہ گزارش کے بعد ملاحظہ کیجیے کہ نبی کریم ﷺ کلمہ گو کی غلطیوں کی اصلاح دعوت کے طریق سے فرمائی ہے۔ چند ایک مثالیں درج ذیل ہیں:

① سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

« جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَرَاجَعَهُ فِيْ بَعْضِ الْكَلَامِ فَقَالَ: مَا شَاءَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَ شِئْتَ! فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « أَجَعَلْتَنِيْ مَعَ اللّٰهِ عَدْلًا؟ لَا بَلْ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ »

[شرح مشكل الآثار : ٢١٨/١]

''ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے دوران گفتگو کہا کہ جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کیا تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لیا ہے؟ صرف یہ کہا کرو کہ جو اللہ تعالیٰ چاہے۔''

ایک روایت میں ہے: « أَجَعَلْتَنِيْ لِلّٰهِ نِدًّا؟ قُلْ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ »

[ابن خزيمة: ١٠٦/٤]

② اسی طرح سیدنا ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم جنگ حُنین کے موقع پر نبی کریم ﷺ کے ساتھ مقام حنین کی طرف جارہے تھے اور نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ راستے میں ایک بیری کا درخت تھا جس کو ذاتِ انواط کہا جاتا تھا، مشرکین اس کے پاس بیٹھنا باعثِ برکت سمجھتے تھے اور اپنے ہتھیار بھی برکت کے لیے اس کے ساتھ لٹکاتے تھے۔ ہم نے کہا:

« يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! اِجْعَلْ لَنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ أَنْوَاطٍ »

''اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے لیے بھی مشرکین کی طرح کا ایک ذات انواط مقرر فرما دیں۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« اَللّٰهُ أَكْبَرُ، إِنَّهَا السُّنَنُ هٰذَا كَمَا قَالَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ لِمُوْسٰى: اجْعَلْ

لَنَا إِلٰهًا كَمَا لَهُمُ اٰلِهَةٌ، قَالَ: إِنَّكُمُ تَجُهَلُوُنَ، ثُمَّ قَالَ رَسُوُلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ : إِنَّكُمُ لَتَرُكَبُنَّ سُنَنَ مَنُ قَبُلَكُمُ »

[ابن حبان : ٦٧٠٢۔ ترمذي : ٢١٨٠]

''اللہ اکبر! تم نے وہی بات کہی ہے جو بنی اسرائیل نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ ہمارے لیے کوئی معبود بنا دے جیسا کہ ان لوگوں کے معبود ہیں، تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''تم لوگ بڑی نادانی کی باتیں کرتے ہو۔''

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بھی پہلی امتوں کے طریقوں پر چلو گے۔''

③ سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حیرہ (یمن کا ایک شہر) آیا، میں نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ اپنے حاکم مرزبان کو سجدہ کرتے ہیں، میں نے سوچا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان حاکموں سے سجدہ کے زیادہ حق دار ہیں، چنانچہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کیا: یا رسول اللہ ! میں نے حیرہ کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ اپنے حاکموں کو سجدہ کرتے ہیں حالانکہ آپ ان سے زیادہ حق دار ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« أَرَأَيُتَ لَوُ مَرَرُتَ بِقَبُرِيُ أَكُنُتَ تَسُجُدُ لَهُ قَالَ: قُلُتُ: لَا »

''اچھا بتاؤ! اگر تمھارا گزر میری قبر پر ہو تو کیا تم میری قبر پر سجدہ کرو گے؟ میں نے کہا: نہیں۔''

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو پھر اب بھی مجھے سجدہ نہ کرو، اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں، اس حق کے بدلے میں جو اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لیے مقرر کیا ہے۔ [أبوداؤد، كتاب النكاح، باب في حق الزوج على المرأة: ٢١٤٠۔ مستدرك حاكم : ١٨٧/٢، ح : ٢٧٦٣۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے سکوت اختیار کیا ہے اور اس حدیث کے کئی شواہد بھی ہیں]

مندرجہ بالا روایات پر غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت میں کسی کو شریک کرنا، نئے معبود بنانے کا مطالبہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ما سوا کو سجدہ کرنے کی اجازت مانگنا، شرکیہ اقوال ہیں یا

نہیں؟ لیکن نبی کریم ﷺ نے ان سوالات اور اقوال کو سننے کے بعد انھیں کافر و مرتد قرار نہیں دیا، بلکہ ان کی اصلاح فرمائی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کہنے والا جو چاہے کہے اور کرے، بلکہ ہماری منشا یہ ہے کہ موانع کفر کا اعتبار ضروری ہے، ہر حال میں تکفیر لازم نہیں۔ یہاں چونکہ کہنے والوں کی نیت کفر یا شرک کی نہ تھی، یقیناً لاعلمی عذر تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کی اصلاح و تربیت فرمائی، انھیں خارج از اسلام نہیں کیا۔

پُرفتن دور میں دعوت کا کام کیسے ممکن ہے؟:

فتنے جب رونما ہوتے ہیں تو ہر خاص و عام کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں، اس وقت گفتار و کردار کے ضابطے الگ انداز سے نمایاں ہوتے ہیں، اس لیے ہر مسلمان داعی اور مبلغ کو نہایت احتیاط سے دین داری کے تقاضوں کو نبھانا ہوتا ہے۔

قرآن و حدیث اس ضمن میں فتنوں سے بچاؤ کے لیے جو ہدایات ہمیں دیتے ہیں ان کا التزام سب سے اہم اور لازم ہے۔

① حکمت و دانائی سے دعوت دینا:

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی محمد ﷺ کو دعوت کا فریضہ سرانجام دینے کا حکم دیتے ہوئے حکمت و دانائی کا بھی خاص حکم دیا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ [النحل : ١٢٥]

''اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلا اور ان سے اس طریقے کے ساتھ بحث کر جو سب سے اچھا ہے۔''

② دعوت، علم کی بنیاد پر ہو:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ [بني إسرائيل : ٣٦]

''اور اس چیز کا پیچھا نہ کر جس کا تجھے کوئی علم نہیں۔''

آج کے پُرفتن دَور میں علمی ذوق، علمی استغراق اورفہم وفراست سے تہی دامن ہوکر، غور وفکر کے بغیر، محض قیاس آرائی، بدگمانی اور بلاتحقیق کسی قسم کی تحریر وتقریر، اصلاح کی بجائے نقصانات کا پیش خیمہ ہوسکتی ہے، لہٰذا ایک داعی الی اللہ کے لیے از حد ضروری ہے کہ وہ دعوت کو پیش کرتے وقت احتیاط کا دامن نہ چھوڑے اور حکمت و دانائی، فہم وبصیرت، الفاظ کے مناسب چناؤ، لہجے اور اندازِ تکلم میں وقار کے ساتھ ساتھ علمی ذوق وشوق کو بھی شامل طبیعت کرے۔

③ بصیرت و دلائل پر مبنی دعوت:

نبی کریم ﷺ کا فرمان قرآن مجید میں مذکور ہے:

﴿اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ﴾ [يوسف : ١٠٨]

''میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، پوری بصیرت پر، میں اور وہ بھی جنھوں نے میری پیروی کی ہے۔''

④ کتاب وسنت پر مبنی دعوت:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ [المائدة : ٦٧]

''اے رسول! پہنچا دے جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔''

کتاب و سنت کے علاوہ نصاب، نظام، پیغام یا کسی شخصیت، علاقہ، مقام کی طرف بلانا، مزید فرقہ واریت کو جنم دیتا ہے، جس سے زندگی اور حالات گھمبیر ہو جاتے ہیں، لہٰذا اپنی دعوت کو کتاب وسنت پر ہی مرکوز رکھیں۔

⑤ دعوت کے انداز والفاظ میں نرمی اختیار کرنا:

اللہ تعالیٰ نے فرعون، جو سب سے بڑا طاغوت تھا، کی طرف سیدنا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو دعوت دینے کے لیے بھیجا تو خصوصی طور پر دعوت میں نرمی کا حکم دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا﴾ [طٰهٰ : ٤٤]

''پس اس سے بات کرو، نرم بات۔''

حقیقت یہ ہے کہ جب فتنے اٹھنے لگیں، حالات سنگین ہو جائیں، تو ایسے نازک حالات میں نرمی اور بردباری ہی دعوت کو زندہ کرتی ہے، دعوت میں عمدگی اور حسن پیدا کرتی ہے اور قلوب واذہان کو مسخر ومتوجہ کرتی ہے۔

اخلاق واحساس، حکمت ودانائی ہمیشہ سے دعوت کے لوازمات رہے ہیں، جبکہ بردباری اور نرمی ہر دور میں ہر موقع وحالات میں دعوت کی گاڑی کے پہیے کا کردار ادا کرتی ہے۔

ایک کہاوت مشہور ہے کہ ایک من علم کے لیے دس من عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔

عربی مقولہ ہے ؎

قلب الأحمق في فمه و لسان العاقل في قلبه

''بے وقوف کا دل اس کے منہ میں ہوتا ہے اور عقل مند کی زبان اس کے دل میں ہوتی ہے۔''

دعوت کو دلائل سے مزین کرنا اور حکمت سے چلانا ہی کامیاب داعی کی علامت ہے، جذبات بے قابو ہونے سے اور زبان کی بے احتیاطی سے دین اور دعوت کا ناقابل تلافی نقصان ہو سکتا ہے، لہٰذا اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے اپنی طبیعت میں نرمی اور بردباری پیدا کیجیے۔

عدل وانصاف کو لازم پکڑنا:

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾

[البقرة : ١٤٣]

''اور اسی طرح ہم نے تمھیں سب سے بہتر امت بنایا، تاکہ تم لوگوں پر شہادت

دینے والے بنو۔''

نیز فرمایا:

﴿وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ [الأنعام : ١٥٢]

''اور جب بات کرو تو انصاف کرو خواہ رشتہ دار ہو۔''

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫﴾ [المائدة : ٨]

''اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں ہرگز اس بات کا مجرم نہ بنا دے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔''

عدل و انصاف پر مبنی قول وعمل اور کسی کی رو، رعایت اور ظلم وتعدی سے احتراز ہمیشہ ہی امن و امان کی ضمانت رہا ہے، ایران کے سفیروں نے جب امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ایک درخت کے سائے میں سکون کی نیند سو رہے ہیں، تو انھوں نے ایک تاریخی جملہ کہا: ”عدلت فامنت فنمت“ تو نے عدل کیا اور امن پایا اور سکون سے سو رہا ہے۔
[الاستقصاء لأخبار دول المغرب: ١/ ٨٤]

لیکن جب بھی دعوت، عدل و انصاف سے ذرا کھسکی تو نتیجہ فتنۂ تکفیر، فرقہ واریت، بدامنی اور تخریب کاری کی شکل میں سامنے آیا۔ (یاد رکھیے ظلم و زیادتی سے نہ دعوت پروان چڑھتی ہے اور نہ ہی حکومت مستحکم ہوتی ہے۔)

عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ خیبر کی طرف پھلوں اور اناج کا اندازہ لگانے کے لیے بھیجا، تو اہلِ خیبر نے چاہا کہ عبد اللہ بن رواحہ کو کچھ رشوت دے دیں تاکہ وہ ان سے نرمی برتیں، تو عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تمھارے پاس ایسی ہستی کی جانب سے بھیجا گیا ہوں، جو مجھے ساری کائنات سے زیادہ محبوب ہیں اور تمھارے اموال مجھے بندروں اور خنزیروں سے بھی زیادہ ناپسند ہیں، لیکن میرے محبوب کی محبت اور تم سے بغض، مجھے عدل و انصاف کرنے سے روک نہیں سکتا۔

یہ سن کر اہل خیبر کہنے لگے، یہی وہ بات ہے جس کی وجہ سے زمین وآسمان قائم ہے۔

[تفسیر ابن كثير، ٤٣٣/٢۔ بیهقي: ١١٤/٦، و ط: اخرىٰ ٢١٢/٦ رقم: ١١٦٢٦]

قول وعمل میں محتاط رویہ:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو بھرے برتن کی مثل حدیثیں یاد کیں (یعنی دوقسم کا علم سیکھا) ایک کو میں نے عام کر دیا اور اگر دوسرے کو عام کرتا ہوں تو میری گردن کاٹ دی جائے گی۔ [بخاري: ١٢٠]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ہر بات، ہر ایک کے سامنے بیان کرنا ضروری نہیں، ورنہ بہت سے مسائل پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

مخاطب کی ذہنی استعداد کا خیال رکھنا، وقت اور حالات کی نزاکت کو سمجھنا، بہرصورت لازم ہے۔

اپنی علمیت کا رعب جمانے، اپنی خطابت کا سکہ بٹھانے، اپنے باعمل ہونے کا ڈھونگ رچانے کے لیے، غیر سنجیدہ یا غیر محتاط رویہ اختیار کرنا دعوت کے لیے زہر قاتل سے کم نہیں ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کو پڑھیے اور غور کیجیے اور پھر سوچیے کہ کتنے ایسے مسائل ہیں کہ جنھیں عوامی سطح پر اجاگر کر کے خطیب اور واعظ عوام سے داد تو وصول کر لیتا ہے، لیکن اس کے اس غیر محتاط رویے کے نتائج اتنے خوفناک ہوتے ہیں کہ بات بحث مباحثے سے نکل کر جھگڑے تک، جھگڑے سے گالی گلوچ اور گالی گلوچ سے قتل و غارت تک جا پہنچتی ہے۔ اس بنا پر ایک داعی، خطیب اور واعظ کے لیے از حد ضروری ہے کہ وہ اپنی دعوت، خطاب اور وعظ میں ہمیشہ ''پہلے تولو پھر بولو'' کے مطابق محتاط رویہ اختیار کرے، اس سے دعوت کا شجر نہ صرف تناور ہوگا بلکہ تکفیر کی آندھیوں کی دست برد سے بھی محفوظ رہے گا۔

پُرفتن دور میں......اہلِ ایمان کا طرزِ عمل

فتنہ پروری کی مذمت:

❊ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ [البقرة : ١٩١]
''اور فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے۔''

❊ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
« سَتَكُوْنُ فِتَنٌ، الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ »
[بخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام : ٣٦٠١]
''عنقریب ایسے فتنے رونما ہوں گے کہ ان (کٹھن حالات) میں بیٹھنے والا (یعنی فتنوں سے اجتناب کرنے والا) کھڑے ہونے والے (یعنی فتنوں میں مبتلا ہونے والے) سے کہیں بہتر ہو گا۔''

فتنہ بازی سے اجتناب کی فضیلت:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
« إِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ، إِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ، إِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ، وَلَمَنِ ابْتُلِيَ فَصَبَرَ، فَوَاهًا » [أبوداؤد، كتاب الفتن والملاحم، باب النهي عن السعي في الفتنة : ٤٢٦٣۔ مشكوٰة : ٤٦٤/٢]
''وہ شخص سعادت مند ہے جو فتنوں سے بچا لیا گیا، وہ شخص سعادت مند ہے جو فتنوں سے بچا لیا گیا، وہ شخص سعادت مند ہے جو فتنوں سے بچا لیا گیا، اور جو

شخص مبتلا کیا گیا، پس اس نے صبر کیا تو بہت اچھا ہے۔‘‘

جب امتِ مسلمہ میں قتل و غارت، تخریب کاری، بد امنی، فرقہ بندی اور لوٹ مار وغیرہ فتنے رونما ہو جائیں تو ایسے مشکل، کٹھن اور پُرفتن حالات میں، اہلِ ایمان کو درج ذیل تدابیر اور طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے:

① اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((تَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ)) [مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الدعاء: ١٥/ ٦٧، ٢٩٧٣١۔ ط: دار قرطبة بيروت: ١٥/ ٣٤]

’’ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو۔‘‘

② خانہ جنگی سے علیحدگی:

سیدنا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جنگ کے موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایک صحابی (اُہبان بن صفیہ الغفاری) کے پاس آئے اور ساتھ چلنے کا کہا، تو اس صحابی نے کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ فتنوں کے دور میں تم لکڑی کی تلوار بنا لینا (اب جبکہ دو مسلمان جماعتوں کے مابین جنگ ہے) تو میرے پاس لکڑی کی تلوار ہی ہے، اگر اسی طرح پسند کرتے ہو تو چل پڑتا ہوں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس کو چھوڑ کر چلے گئے۔ [ترمذي، كتاب الفتن، باب ما جاء في اتخاذ السيف من خشب: ٢٢٠٣]

تنبیہ: مشاجراتِ صحابہ کرام، امت کے لیے ایک راہ نمائی کی حیثیت رکھتے ہیں، کسی بھی صحابی کے متعلق بدنیتی ایمان کی خرابی ہے، امت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ تمام صحابہ جنتی ہیں، ان کے مابین اختلافات محض اجتہادی تھے۔

سیدنا معاویہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے مابین حق اور باطل کی اصطلاح استعمال کرنا درست نہیں ہے، البتہ ان کے درمیان جو خانہ جنگی کی صورت پیدا ہوئی وہ یہود، منافقین اور اس

کے بعد خوارج کی سازش تھی، اس میں بھی امتِ مسلمہ کے لیے واضح راہ نمائی ہے کہ یہود اور استعماری قوتوں کی سازشوں کا شکار ہو کر امتِ مسلمہ میں تکفیر کا بیج بو کر قتل و غارت، نفرت اور فرقہ بندی کی فصل کاشت کرنا اور اسلامی اخوت و مودّت کو پارہ پارہ کرنا، ہر دور میں اور آج بھی حد درجہ مذموم اور زہر قاتل کی مانند ہے۔

③ فتنہ انگیز کی مجلس سے اجتناب:

امام ابن سیرین رحمہ اللہ کے پاس دو آدمی آئے اور کہنے لگے کہ ہم آپ کو قرآن مجید سنانا چاہتے ہیں۔ ابن سیرین نے کہا: آپ میرے پاس سے چلے جائیں یا پھر میں چلا جاتا ہوں، وہ چلے گئے تو لوگوں نے پوچھا کہ وہ تو قرآن سنانا چاہتے تھے، امام ابن سیرین نے فرمایا کہ وہ گمراہ آدمی تھے، مجھے قرآن سنا کر کوئی غلط تفسیر کرتے اور میرے ذہن میں بیٹھ جاتی، اس وجہ سے میں نے ان سے احتراز کیا۔

[الدارمي: ١/١٢٠ـ البدع لابن الوضاح: ١/١٤٨]

④ اعمال صالحہ کی بجا آوری:

❁ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتَناً كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ »

[مسلم، كتاب الإيمان، باب الحث على المبادرة......: ١١٨]

''جلدی جلدی نیک اعمال بجا لاؤ ان فتنوں سے پہلے، جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ہوں گے۔''

❁ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « اَلْعِبَادَةُ فِي الْهَرْجِ، كَهِجْرَةٍ إِلَيَّ »

[مسلم، كتاب الفتن، باب فضل العبادة في الهرج: ٢٩٤٨]

''فتنے (کے زمانے) میں عبادت کرنے کا اجر (فتح مکہ سے پہلے) میری طرف ہجرت کرنے کے (اجر کے) برابر ہے۔''

❁ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ يُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَ

الصَّدَقَةُ وَالْأَمْرُ وَ النَّهْيُ ﴾ [بخاري، كتاب الصلاة، باب الصلاة كفارة : ٥٢٥۔ مسلم : ١٤٤]

''آدمی کا فتنہ (یعنی آزمائش) اس کے اہل وعیال، اس کے مال، اس کی اولاد اور اس کے پڑوس میں ہے، جس کا کفارہ نماز، صدقہ اور نیکی کی دعوت دینا اور برائی سے منع کرنا ہے۔''

⑤ پانچ کاموں کی پابندی کرنا:

❁ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿ أَنَا آمُرُكُمْ بِخَمْسٍ اللّٰهُ أَمَرَنِيْ بِهِنَّ السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْجَمَاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ ﴾ [ترمذي، كتاب الأدب، باب ما جاء في مثل الصلاة......: ٢٨٦٣]

''میں تم کو پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں، جن کا حکم مجھے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے: (امیر کی) بات سننا اور اطاعت کرنا، جہاد اور ہجرت کرنا اور جماعت سے وابستہ رہنا۔''

۱،۲ السمع و الطاعة (اطاعتِ امیر)

❁ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿ اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا أَحَبَّ وَ كَرِهَ ﴾ [بخاري، كتاب الفتن، باب السمع و الطاعة...... : ٧١٤٤]

''ہر مسلمان آدمی پر سمع وطاعت لازم ہے خواہ پسند کرے یا ناپسند کرے۔''

❁ عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول کریم ﷺ نے ایسا وعظ فرمایا کہ جس سے دل ڈر گئے اور آنکھیں بہہ پڑیں، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ! ہمیں کوئی وصیت ہی فرما دیں تو آپ نے فرمایا:

﴿ أُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَ إِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا ﴾

[أبوداوٗد، كتاب السنة، باب في لزوم السنة : ٤٦٠٧]

’’میں تمھیں اللہ سے ڈرنے کی اور سمع و اطاعت کی وصیت کرتا ہوں، اگرچہ تم پر کوئی حبشی غلام ہی امیر کیوں نہ بنا دیا جائے۔‘‘

❁ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« مَنْ أَطَاعَنِيْ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ، وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ، وَ مَنْ أَطَاعَ الْأَمِيْرَ فَقَدْ أَطَاعَنِيْ، وَ مَنْ عَصَى الْأَمِيْرَ فَقَدْ عَصَانِيْ » [بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب يقاتل من وراء...... : ۲۹۵۷]

’’جس نے میری اطاعت کی، درحقیقت اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، جس نے میری نافرمانی کی، درحقیقت اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی، درحقیقت اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی، بے شک اس نے میری نافرمانی کی۔‘‘

❁ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ » [بخاري، كتاب الأحكام، باب السمع و الطاعة...... : ۷۱٤٥]

’’اطاعت صرف نیکی کے کاموں میں ہے۔‘‘

③ ’’الجماعة‘‘ (لزوم جماعۃ) مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ وابستہ رہنا:

❁ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾ [آل عمران : ۱۰۳]

’’اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔‘‘

❁ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ، وَ إِيَّاكُمْ وَ الْفُرْقَةَ » [ترمذي، كتاب الفتن، باب ماجاء في لزوم الجماعة : ۲۱٦٥]

’’تم جماعت کو لازم پکڑو اور فرقہ بندی سے بچو۔‘‘

❁ نبی ﷺ نے فرمایا: « يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ » [مستدرك حاكم، ١١٥/١، ح : ٣٩١ـ المعجم الكبير للطبراني : ٤٤٧/١٢]

''اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔''

❁ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تین چیزوں میں مسلمان کا دل کبھی خیانت نہیں کرتا۔

① خالص اللہ کے لیے عمل۔ ② حکمرانوں کے لیے خیر خواہی۔

③ اور جماعت کو لازم پکڑنا کیونکہ ان کی پکار (دعا) دور والوں کو بھی گھیر لیتی ہے۔

[مسند أحمد : ١٨٣/٥، ح : ٢١٩٢٤]

❁ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے دوران خطبہ فرمایا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص بہترین اور کشادہ جنت پسند کرتا ہے: ''فَلْيَلْزِمِ الْجَمَاعَةَ'' تو وہ جماعت کو لازم پکڑے، کیونکہ ایک کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور وہ (ایک کے مقابلہ میں) دو سے زیادہ دور ہوتا ہے۔

[السنن الكبرىٰ للنسائي، ٢٨٤/٨، ح :٩١٧٥]

❁ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ إِلَّا أَنْ يَّرْجِعَ » [ترمذي : ٢٨٦٣]

''جو شخص بالشت برابر جماعت سے دور ہوا تو اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے اتار پھینکی اِلا یہ کہ وہ واپس لوٹ آئے۔''

[ترمذي، كتاب الأمثال، باب مثل الصلاة والصيام والصدقة : ٢٨٦٣]

❁ ''الجماعة'' کی تعریف:

''قال ابن مسعود رضي الله عنه لعمرو بن ميمون : الجماعة ما وافق طاعة الله و إن كنت وحدك '' [شرح أصول اعتقاد أهل السنة:١٠٩/١]

''سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے عمرو بن میمون سے فرمایا: ''جماعت وہ ہے جواللہ کی اطاعت کی موافقت کرے خواہ تو اکیلا ہی ہو۔''

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اکیلے ہی کو ایک جماعت اور امت قرار دیا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾

[النحل : ١٢٠]

''بے شک ابراہیم ایک امت تھا، اللہ کا فرماں بردار، ایک اللہ کی طرف ہو جانے والا اور وہ مشرکوں سے نہ تھا۔''

جماعت کی روح......شوریٰ:

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ [الشورٰی : ٣٨]

''اور ان کا کام آپس میں مشورہ کرنا ہے۔''

دوسری آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مشاورت کا حکم دیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ [آل عمران : ١٥٩]

''اور کام میں ان سے مشورہ کر۔''

جماعت حقہ کی علامت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ، لَايَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ، حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ » [مسلم، كتاب الإمارة، باب قوله صلى الله عليه و سلم « لا تزال طائفة...... » : ١٩٢٠]

''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، کوئی ان کو نقصان نہ پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ جائے گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ، وَلَا تَزَالُ عِصَابَةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ عَلَى مَنْ نَاوَأَهُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ »

[مسلم، كتاب الإمارة، باب قوله صلى الله عليه و سلم « لا تزال طائفة...... » : ١٠٣٧ بعد الحديث : ١٩٢٣]

جس سے اللہ تعالیٰ خیر و بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔ مسلمانوں کی ایک جماعت قیامت تک ایسی رہے گی، جو حق پر جہاد کرتے رہیں گے اور وہ اپنے دشمنوں پر غالب رہیں گے۔''

اس حدیث میں جماعتِ حقہ اور طائفہ منصورہ کی صفت ''يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ'' نمایاں طور پر موجود ہے، پس مخالفین جہاد وقتال کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

④ الهجرة :

جب حالات سازگار نہ ہوں، کفار کا تسلط و غلبہ ہو، ان کا ظلم و جبر برداشت سے باہر ہو، دینِ اسلام کی دعوت وتعمیل مشکل ہو جائے، تو پھر اللہ تعالیٰ کے بندوں کا اپنے ایمان کی حفاظت کی خاطر مال، علاقہ، ملک سب کچھ چھوڑ کر چلے جانا ہجرت کہلاتا ہے۔ کسمپرسی کے عالم میں جان و ایمان کو فتنوں سے بچانے کا ایک ذریعہ ہجرت بھی ہے۔

⑤ الجهاد :

فتنوں سے بچاؤ بلکہ تدارک وسرکوبی کا سب سے بڑا اور مؤثر ذریعہ ''الجہاد'' ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ [البقرة : ١٩٣]

''اور ان سے لڑو، یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے، پھر اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر کوئی زیادتی نہیں۔''

❁ خانہ جنگی کے وقت اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرنا افضل جہاد ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« أَوَّلُ هٰذَا الْأَمْرِ نُبُوَّةٌ وَرَحْمَةٌ، ثُمَّ يَكُونُ خِلَافَةً وَ رَحْمَةً، ثُمَّ يَكُونُ مُلْكًا وَرَحْمَةً، ثُمَّ يَكُونُ إِمَارَةً وَ رَحْمَةً ثُمَّ يَتَكَادَمُونَ عَلَيْهِ تَكَادُمَ الْحُمُرِ، فَعَلَيْكُمْ بِالْجِهَادِ وَإِنَّ اَفْضَلَ جِهَادِكُمُ الرِّبَاطُ »

[السلسلة الصحيحة للألباني : ١٠٩٧٥]

''اس دین کا آغاز نبوت اور رحمت سے ہے، پھر خلافت اور رحمت ہو گی، پھر ملوکیت اور رحمت ہو گی، پھر امارت اور رحمت ہو گی، پھر وہ گدھوں کی طرح لڑیں گے (یعنی حکومت اور اقتدار کی خاطر باہم گدھوں کی طرح لڑیں گے)۔ پس (ان حالات میں) تم پر جہاد فرض ہے، پس بے شک (اس وقت) افضل جہاد اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرنا ہو گا۔''

فقہ الحدیث:

① جہادِ اسلامی کے لیے خلیفہ شرط نہیں ہے۔
② حکمرانوں کی باہمی لڑائی کے وقت اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرنا واجب ہے۔
③ حکمرانوں کی باہمی لڑائی میں شرکت یا ان کے خلاف خروج و قتال جائز نہیں، اس حدیث میں فتنۂ تکفیر کا رد ہے۔
④ جب ذمہ دارانِ مملکت، خانہ جنگی میں ملوث ہوں، تو اہلِ ایمان پر اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لیے جہاد فرض ہے۔
⑤ خانہ جنگی کے حالات میں اسلامی سرحدوں کی حفاظت اور دفاع افضل جہاد ہے۔ دفاع پاکستان کونسل کی تاسیس اسی مقصد کے پیشِ نظر تھی۔ (الحمد للہ)

فتویٰ نویسی کے اصول و آداب:

فتویٰ نویسی ایک نہایت حساس منصب ہے، جس میں تھوڑی سی خطا بھی ناقابل تلافی

نقصان پہنچا سکتی ہے، لہٰذا اپنی طبیعت، مزاج اور افکار کنٹرول کر کے، کتاب وسنت کی روشنی میں، امت مسلمہ کی خیر و بھلائی کے پیشِ نظر یہ ذمہ داری ادا کرنی چاہیے۔ درج ذیل چند ایک اساسی آداب پیشِ خدمت کیے جاتے ہیں، جن کا التزام ہر مفتی، عالم اور داعی پر واجب ہے:

① فتویٰ نویسی کے وقت ناصحانہ جذبات غالب ہوں:

مفتی پر تکفیر کی بجائے تکثیر (زیادہ کرنا) اہل اسلام کے جذبات غالب ہوں۔ فتویٰ نویسی کے وقت مفتی حضرات کے جذبات پاکیزہ اور انداز داعیانہ و ناصحانہ ہو، وہ اہل اسلام کی تکفیر کی بجائے تکثیر کی ممکنہ جد و جہد کرے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« لَأَنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلاً وَّاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ أَنْ يَّكُوْنَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ » [مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب رضي الله عنه : ٢٤٠٦]

”تمھارے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ایک آدمی کو ہدایت عطا کر دے تو یہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے۔“

② فتویٰ نویسی میں جلد بازی سے کام نہ لیا جائے:

امام شعبی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ فتویٰ دیتے وقت کیا کرتے تھے؟ تو انھوں نے کہا: جب ہم سے سوال کیا جاتا تھا تو وہ اپنے ساتھی سے کہتا تھا کہ آپ اس کا جواب دیں اسی طرح ہر شخص دوسرے کی طرف سائل کو متوجہ کرتا، یہاں تک کہ وہ پہلے کی طرف لوٹ آتا۔ [الدارمي : ٦٥/١]

③ بغیر علم کے فتویٰ نہ دے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« مَنْ أُفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُهُ عَلٰى مَنْ أَفْتَاهُ » [أبوداوٗد، كتاب العلم، باب التوقي في الفتيا: ٣٦٥٧]

''جس کو بغیر علم کے فتویٰ دے دیا گیا، تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَ لَكِنْ يَّقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمٌ اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَ أَضَلُّوْا » [بخاري، كتاب العلم، باب كيف يقبض العلم : ١٠٠]

''بے شک اللہ تعالیٰ، علم کو اپنے بندوں سے نہیں اٹھائے گا مگر علم کو علماء کے اٹھانے کے ذریعہ سے اٹھا لیا جائے گا، یہاں تک کہ جب ایک عالم بھی باقی نہ رہے گا، تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنا لیں گے، وہ انھیں بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور انھیں بھی گمراہ کریں گے۔''

ملی و مذہبی عمائدین و ذمہ داران سے التماس:

آج امتِ مسلمہ اور خصوصاً اہل پاکستان جن حالات سے دو چار ہیں، عوام و خواص کسی سے بھی مخفی نہیں، ملک کے اخبار و رسائل اور جرائد اس کے گواہ ہیں کہ شہر شہر، نگر نگر، دہشت گردی، قتل و غارت، تخریب کاری، بم دھماکے، خودکش حملے اور معمولی باتوں پر قتل کرنا مشغلہ بن چکا ہے۔ بھائی بھائی کی گردن کاٹ رہا ہے، خونِ مسلم پانی سے بھی سستا نظر آتا ہے، معاشرتی امن و سکون برباد ہو چکا ہے، آزادی و تحفظ سلب ہو چکا ہے، کچہریاں عدالتیں اور انتظامی ادارے امن قائم کرنے سے عاجز آ چکے ہیں۔ بلاشبہ آج امنِ عالم اور امنِ پاکستان ایک مسئلہ بن چکا ہے۔

ان حالات میں ہر مسلمان اور خصوصاً ملک و ملت کی نمائندگی کرنے والے عمائدین، زعماء، مذہبی و سیاسی قائدین، رسائل و جرائد مالکان، اپنی اپنی ذمہ داری ادا کریں اور اغیار کی سازشوں کو بے نقاب کرتے ہوئے ایک منظّم آواز اٹھائیں، جو ملک و قوم کے مفاد و دفاع

میں مؤثر ثابت ہو۔

اسی طرح منبر ومحراب کے ورثاء، علمائے کرام سے بھی التماس ہے کہ وہ ملکی سلامتی میں کلیدی کردار ادا کریں، اور اخوت اسلامی کا درس دیں، کلمہ گو کی تکفیر وقتل، جو ایک قدیم فتنہ ہے، اس سے لوگوں کو آگاہ کریں، نیز قرآن و حدیث میں مذکور حدود کا تذکرہ کریں۔ اس طرح ایک منظّم اصلاحی تحریک پیدا کریں، تو ظلم کے لیے اٹھے ہوئے بہت سے ہاتھ رُک سکتے ہیں اور ملک کا ہر باشندہ امن واطمینان کا سانس لے سکتا ہے۔